WWW.PAKSOCIETY.COM

سفر رائیگاں تو ہے

غزل یاسر ملک

مکمل ناول



WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

غزل یاسر ملک

مکمل ناول

سفر رائیگاں تو ہے

فیصل آباد سے ٹرین کا تقریباً ڈیڑھ دن کا تھکا دینے والا سفر اور کراچی جیسے اجنبی شہر میں تنہا لڑکی کا ایڈریس ڈھونڈنا حقیقی معنوں میں اسے دن میں تارے دکھا چکا تھا۔ گو کہ امی نے مکمل پتا، اسٹریٹ، ایریا بمع گیٹ کے رنگ اور ڈیزائن کے ساتھ لکھ کر اسے تھمایا تھا مگر ایک تو سر پر آگ اگلتا سورج دوسرے کندھے سے لٹکا سفری بیگ اور خوب بھاری اٹیچی کیس جس میں امی نے اپنی دیرینہ سہیلی کے لیے فیصل آباد کی سوغاتیں بھر کر بھیجی تھیں، واقعی میں اسے رلائے دے رہا تھا۔

کول تار کی لمبی سیاہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے اپنا سامان بے زاری سے سنبھالتے ہوئے بمشکل اپنا بہتا پسینہ دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے سامنے بنے بنگلوز کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور صاحب کچھ دیر کی خواری کے بعد "یہی ایریا ہے۔" کہہ کر اسے اتار کر چلتے بنے تھے۔

اس نے امی کے دیے ہوئے ایڈریس کا پرچا مٹھی سے نکال کر دوبارہ کھولا اور لائن سے بنے بنگلوز کی طرف بڑھ کر نیم پلیٹ دیکھنے لگی۔ اس کارنر سے آخری کارنر تک چلتے چلتے وہ مزید تھک گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مایوس ہو کر وہیں کہیں بیٹھ جاتی، اس کی نظر سفید اور گرے کمبی نیشن کے خوب صورت ڈیزائن کے گیٹ کے اوپر پھیلی بوگن ویلیا پر پڑی۔ اس نے چار قدم فاصلہ بے تابی سے طے کر کے نیم پلیٹ کو پڑھا۔

"مطیع احمد" گولڈن اور وائٹ خوب



Scanned By Famousurdunovels.blogspot

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

صورت نیم پلیٹ پر بھاری بھرکم نام جگمگا رہا تھا۔
اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنا اٹیچی کیس اور سامان کھینچ کر گیٹ کے آگے رکھا اور ڈوربیل بجا دی۔ دو منٹ بعد ہی بڑی بڑی مونچھوں والے خان نے گیٹ وا کردیا۔

"مم...... میں...... فیصل آباد سے......" اس طرح خود کسی ملازم کے سامنے اپنا تعارف کرواتی وہ سخت کوفت زدہ ہورہی تھی مگر چوکیدار کو غالباً پہلے ہی احکامات جاری کیے جاچکے تھے۔

"ہاں...... آں...... بی بی صیب آپ کا انتظار کرتا اے' اوئے سکندر' سامان اٹھاؤ مہمان کا۔"

خان فوراً ہی مستعدی سے احتراماً اس کے پاس سے اٹیچی اور دوسرا سامان اٹھاتے ہوئے اندر منہ کر کے آوازیں دینے لگا۔

اس نے تپتی گرمی سے بچنے کے لیے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ سامنے سے ہی کوئی ملازم ٹائپ آدمی بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ اس کے پیچھے آسمانی رنگ کے کاٹن کے سادے سوٹ میں آنٹی تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھیں اور دوسرے لمحے ہی اس کو گلے لگا لیا۔ وہ امی کے پاس ان کی پرانی تصویر دیکھ چکی تھی' سو کچھ دشواری کے بعد پہچان کا مرحلہ طے کر کے سلام کیا' ملازم سارے آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ وہ اپنا ایسا استقبال دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

"معاف کرنا بیٹی' ڈرائیور آج چھٹی پر ہے۔ میں کب سے پریشان ہورہی تھی۔ تم خیریت سے پہنچ تو گئی ناں؟" وہ اسے خود سے لگائے اندر لے آئیں۔ رمشا ان کی اتنی محبت پر کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

"جی آنٹی!" اب وہ انہیں سفر کی مشکلات سے کیا آگاہ کرتی' سو سعادت مندی سے مسکرا کر بولنے لگی۔

"گھر میں سب خیریت سے تو ہیں' میری دوست اور بہن کائنات کیسی ہے' کیا حال ہیں اور وہ تمہاری بڑی بہن زرین اپنے گھر میں خوش تو ہے' اس کا ایک بیٹا ہے ناں' کیا نام ہے؟" وہ سب کے احوال پوچھتے پوچھتے حمزہ کے نام پر رک سی گئیں۔

"حمزہ......!" اس نے خود اپنے بھانجے کا نام بڑے پیار سے رکھا تھا۔

اتنے میں ملازم ٹرے میں شربت لیے آگیا جو انہوں نے اسے پکڑا دیا۔

"ہاں...... ہاں حمزہ' اب اس عمر میں یادداشت بھی تو جواب دے جاتی ہے۔" انہوں نے ہولے سے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ انہیں دیکھنے لگی۔

عمر تو ان کی کوئی ایسی ساٹھ ستر سال نہ تھی۔ گورا رنگ' بڑی بڑی آنکھیں' جن میں حلقے نمایاں تھے' دبلا پتلا جسم' بال ضرور سفید تھے مگر کچھ اتنے زیادہ بھی نہ تھے۔ اگر ڈائی کرلیتیں تو بمشکل پینتیس اڑتیس سال کی ہی لگتیں مگر سفید بالوں کی وجہ سے کچھ عمر زیادہ لگ رہی تھی۔

"آتے ہی تمہیں باتوں میں لگالیا' ذرا فریش ہوجاؤ' آؤ میرے ساتھ تمہیں تمہارا کمرا دکھا دوں۔"

انہیں خود ہی خیال آیا تو اسے لے کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپری حصے پر آگئیں۔ پیچھے ملازم سامان لیے آگیا۔

"یہ واش روم ہے' فریش ہوجاؤ' کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلاجھجک کہہ دینا اور فون کر کے زرین کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دے دو۔"

وہ اسے ہدایات دیتی خود باہر نکل گئیں۔

اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سنگل بیڈ کے ساتھ ضرورت کے ہر سامان سے آراستہ کمرا اسے سکون بخش گیا۔ یہاں آنے سے پہلے وہ جتنی کوفت زدہ تھی' آنٹی کی محبت بھری گفتگو اور دل کھینچ لینے والے پرشفقت انداز نے اس کی سفر کی تھکان اور اپنے فیصلے کا دکھ ختم کردیا تھا۔

اس نے اپنا اٹیچی کیس کھول کر اپنے کپڑے وغیرہ وارڈروب میں رکھنے چاہے تو اس کی نظر امی کی دی ہوئی سوغاتوں پر پڑی۔ اس نے یہ تحفے فوراً سے پیشتر آنٹی کو دینے کا فیصلہ کیا۔ ڈبے تھیلے اور نہ جانے کیا کیا الا بلا سنبھالے اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا۔ نہ جانے اس کی چپل نے دھوکا دیا تھا یا قسمت ہی میں یہ لکھا تھا کہ پاؤں پھسلا اور اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے ہاتھ بڑھا کر کسی شے کا سہارا لینا چاہا تھا۔ سہارا میسر آ بھی گیا تھا جس نے اسے گرنے سے بچا تو لیا تھا مگر اب خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ اس سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی مگر گھبراہٹ میں الفاظ اور آواز دونوں گم ہوگئی تھی۔

"کون ہو تم؟ اور یہ کیا حرکت ہے؟"

لہجے اور آواز کا دبنگ انداز اور اس شخص کی آنکھیں...... اس کا دل چاہا' وہ فوراً ہی اس کی نظروں کے سامنے سے گم ہوجائے مگر وہ تو آخری سیڑھی پر اسے کچا چبانے کی پوزیشن میں کھڑا تھا۔ آنکھوں میں جیسے چنگاریاں بھری ہوئی تھیں۔

کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ گلا بھی سوکھ گیا تھا۔ جانے آنٹی کہاں تھیں۔ اس نے نظریں ادھر ادھر دوڑائیں اور دل چاہا' آنٹی کو آواز دے کر بلا لے مگر وہ دھاڑا تھا۔

"احمق لڑکی' تمیز نہیں ہے کسی کام کو کرنے کی' کس نے تمہیں یہاں ملازم رکھا ہے یہ بے وقوفیاں کرنے کو؟"

ملازم......! اس نے حیرت اور غصے سے اس کو دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔

"اگر یہاں کام کرنا ہے تو تمیز سیکھو ورنہ کل سے ضرورت نہیں آنے کی اور کم از کم مجھے اپنا چہرہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس قدر تذلیل بھرے آگ میں لپٹے الفاظ تھے کہ وہ کھول کر رہ گئی۔ وہ کیا اسے اس بڑے سے گھر کی نوکرانی سمجھا تھا؟ وہ اس توہین کا کوئی سخت جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ آنٹی اچانک ہی آگئیں۔ دونوں کی ہی نگاہ ان کی طرف گئی تھی۔

"کک...... کیا ہوا؟" ان کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے اور ان کی نظر اپنے لاڈلے و ہونہار سپوت پر پڑ گئی۔ وہ تیزی سے آگے آئیں۔

"آپ نے اس لڑکی کو رکھا ہے؟" ہتک آمیز لہجے میں اس نے آنٹی سے پوچھا۔

"ہاں' مگر یہ......"

"اس سے کہہ دیں' آئندہ میرے سامنے نہ آئے ورنہ آج ہی اسے فارغ کریں۔"

اس کے جملے آہستہ آہستہ اس کی قوت برداشت کو آزما رہے تھے۔ کوئی ایسا قتل بھی نہیں ہوگیا تھا کہ محترم آؤٹ آف کنٹرول ہورہے تھے۔ محض ایک اتفاقی حادثہ تھا ورنہ اس نے کون سا جان بوجھ کر اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔

"یہ میری بھانجی ہے رمشا عبدالسلام!"

شکر تھا کہ آنٹی نے تعارف کروا دیا تھا مگر اس وقت تک اس کا دل یہاں سے فوراً بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔ اس شخص نے بھی چونک کر ہونٹ کاٹتی لڑکی کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بغیر کچھ کہے سائیڈ سے ہوتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ اس کے قدموں

دوڑ میں اول

ایک شخص ہانپتا کانپتا پسینے میں شرابور اس حالت میں گھر میں داخل ہوا کہ اس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک بڑا سا کپ تھا۔ اس نے بیوی سے کہا۔
"یہ کپ مجھے دوڑ میں اول آنے پر ملا ہے۔"
بیوی نے کہا۔ "دوم اور سوم کون آیا ہے؟"
اس شخص نے پھولی ہوئی سانسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "دوم پولیس والا اور سوم دکان کا مالک۔"

مرسلہ: زہرہ تحسین' کراچی

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی دھمک بتا رہی تھی کہ وہ خاصے غصے میں ہے۔
''معاف کرنا رمشا' یہ بچپن سے ہی تھوڑا سنجیدہ مزاج ہے۔''
آنٹی کی معذرت پر اس کا دل چاہا کہہ دے سنجیدہ مزاج نہیں' امارت کا غرور ہے مگر اتنی دیر سے چپ تھی' سو چپ رہی مگر حلق میں کڑواہٹ بھر گئی تھی۔
''کھانا لگ گیا ہے' پہلے کھانا کھالو' مطیع بھی آگیا ہے' بھوک لگی ہوگی اسے۔''
''نہیں آنٹی' آپ کھالیں' میں پہلے نہالوں......'' دوبارہ اس کا سامنا کرنے کی اس کا کوئی ارادہ نہ تھا' سو جلدی سے وہ کمرے میں آگئی۔
اس کا بیگ یونہی کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور باتھ روم میں گھس گئی۔ سامنے ہی بڑا سا شیشہ تھا۔ اس کی نظر خود پر گئی۔
کاٹن کا تھری پیس بلیک اور ریڈ کامبی نیشن کا سوٹ دھول مٹی میں اٹا خاصا گندا ہوگیا تھا۔ چہرے پر جابجا دھول مٹی کے علاوہ پسینے کی علامات تھیں۔ بال چوٹی سے نکل کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ منہ ہاتھ بھی سفر کی داستان سنا رہے تھے۔ اسے خود اپنا حلیہ عجیب سا ہی لگا مگر ایسا بھی نہ تھا کہ کوئی اسے نوکرانی سمجھنے لگتا۔
اس کڑوے کریلے کے سرکل میں یقیناً ویل آف لڑکیوں کا دخل ہوگا الٹرا ماڈرن' میک اپ سے تھپی......
اس نے خود کو تسلی دی اور یہاں نہ رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ کراچی جیسے بڑے شہر میں اسٹوڈنٹس کے لیے ہاسٹل بہت تھے۔
اچھی خاصی وہ فیصل آباد میں ہی پڑھائی مکمل کرلیتی۔ وہاں بھی یونیورسٹی تھی مگر اچانک ہی امی کو اپنی عزیز ترین سہیلی کے شہر میں بھیجنے کا خیال آگیا تھا کہ کراچی یونیورسٹی میں ہی تعلیم حاصل کرے' سو ساری روداد آنٹی کو سنادی تھی اور انہوں نے بھی بڑے پریم سے اس کو یہاں بلوا لیا تھا مگر اب یہاں آنے کے گھنٹہ بھر بعد ہی اسے خود پر غصہ اور امی کے فیصلے پر پچھتاوا ہوا تھا۔ جتنا خوش وہ آنٹی سے مل کر ہوئی تھی' اتنی ہی بدمزہ اور خفت زدہ ان کے ہونہار سپوت سے مل کر ہوئی تھی۔
نہا کر نکلنے تک بھی اس کا غصہ برقرار تھا۔
''مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے اور ان کی سہیلی کا کوئی پلان ہے جو تمہیں ادھر بھیج رہی ہیں' یقیناً ان کا کوئی خوب صورت ہینڈسم کماؤ پوت ہوگا جس کے لیے یہ پاپڑ بیلے جارہے ہیں۔''
یہاں آتے ہوئے وہ جھنجلاتی ہوئی امی سے کسی ہاسٹل میں رہنے کے لیے انہیں بحث کرکے قائل کرنا چاہ رہی تھی جب اس کی دوست ماہین نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی اور وہ خود کو کسی ناول' افسانے کا کوئی کردار سمجھنے لگی تھی۔
اگر یہ کڑوا کریلا ہیرو ہے تو میری طرف سے قطعی انکار ہے۔
اس نے جل کر سوچا اور زور زور سے گیلے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ ساتھ ساتھ یہاں سے جانے کے بارے میں بھی غور کرتی رہی۔
''بیگم صاحبہ کھانے پر آپ کا انتظار کررہی ہیں۔''
دستک دے کر کوئی ملازمہ ٹائپ خاتون نے اطلاع دی مگر اس نے 'بھوک نہیں ہے۔' کہہ کر انکار کردیا کہ یقیناً نیچے وہ اکڑے ہوئے صاحب بھی ہوں گے مگر آنٹی خود اسے بلانے آئیں تو لامحالہ وہ انکار نہ کر پائی۔ خاموشی سے ان کے ساتھ نیچے ڈائننگ روم میں آگئی۔ کرسی کھینچی اور کچھ محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔
''تم بسم اللہ کرو۔ مطیع کو آفس کے لیے دیر ہورہی تھی۔ تم محسوس مت کرنا۔'' یقیناً آنٹی نے یہ خوشخبری ہی سنائی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنی پلیٹ میں آنٹی کی بڑھائی ہوئی ڈش سے چاول ڈالنے لگی۔

☆......☆

خوب روشن چمک دار سنگ مرمر کی سفید اونچی حویلی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ ایک تو اس کی اپنی خوب صورتی اور شان و شوکت مثالی تھی' مزید بڑے قمقموں اور رنگ برنگی سجاوٹ سے جیسے آنکھیں چندھیائی جارہی تھیں۔
پورا گاؤں بڑے سجادہ نشین سید عبداللہ شاہ کے اکلوتے پوتے کے گھر پورے پانچ سال بعد وارث ہونے کی خوشی میں امڈ آیا تھا۔ وہ تین کڑیل بیٹوں اور ایک بیٹی کے باپ تھے مگر خدا کی قدرت کہ منجھلے بیٹے کے علاوہ کسی کے گھر اولاد نرینہ نہ ہوئی تھی اور اس اکلوتے پوتے کے یہاں بھی انتظار کے کئی برس گزار کر خوشی کی نوید ملی تھی اس لیے پورے جشن کا انتظام تھا۔ کئی کئی دیگیں مسلسل چڑھ رہی تھیں' فقراء میں کپڑے' کھانے پینے کا سامان تقسیم ہورہا تھا' خیرات' زکوٰۃ کئی مستحق لوگوں کو پہنچا دی گئی تھیں۔ گویا خزانے کے منہ کھل گئے تھے۔ گانا بجانا' شور ہنگامہ' فائرنگ' پٹاخے غرض کسی چیز پر پابندی نہیں تھی۔
اس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک توصیفی نگاہ اطراف میں ڈالی۔ ہر طرف گہما گہمی تھی۔ گاؤں کی عورتیں اندر کی طرف بنے سرخ بجری کے فرش پر بیٹھی کام کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کررہی تھیں۔ حویلی کی خاص ملازمائیں یہاں وہاں کاموں میں مصروف تھیں۔ وہ ماربل کی سفید چار سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی۔ اسے دیکھ کر وہ سب جلدی جلدی کھڑی ہو کر اسے سلام کرنے لگیں۔ وہ گردن اثبات میں ہلاتی مسکراتی رہی' اسے دیکھ کر سب کے مصروف ہاتھ تھم گئے تھے۔
''اندر آپ کو زرینہ بی بی نے یاد کیا ہے۔''
کسی نے اسے اطلاع دی۔ وہ جانتی تھی کہ زرینہ گل اس کے اتنی دیر نظر نہ آنے پر پریشان ہوجاتی تھی۔ وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
لمبے چوڑے بیڈ پر نقاہت زدہ چہرہ لیے زرینہ گل حاجرہ دائی سے سر کی مالش کروا رہی تھی۔ برابر میں سرخ سفید خرگوش جیسا بچہ بے خبر سو رہا تھا۔ وہ فوراً اس کی طرف لپکی۔
''سلام بی بی جی!'' بوڑھی حاجرہ فوراً مستعدی سے کھڑی ہو کر اس کو سلام کرنے لگی۔ اس نے گردن ہلادی۔
وہ اس سسٹم سے بے زار تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارا گاؤں ہاتھ باندھے ان کے آگے سر جھکائے ان کے حکم کا منتظر کھڑا ہے۔ ہر کوئی ہاتھ چومتا' پاؤں چھوتا انہیں معتبر اور خود کو کم تر بنانے پر تلا بیٹھا ہے۔
''کب سے رو رہا تھا' ابھی بڑی مشکل سے سویا ہے' تمہاری گود کا عادی ہے۔'' زرینہ گل نے بچے کو اٹھاتے دیکھ کر اس سے شکوہ کیا۔
''تم نے وعدہ کیا تھا کہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی' مجھے دو گی......اور نام بھی میں رکھوں گی۔'' اس نے یاد دلایا۔
''میں اپنے وعدے سے مکرتی نہیں ہوں' دن بھر تو تمہارے ہی پاس ہوتا ہے' رات میں ظاہر ہے بھوک سے روتا ہے تو مجھے ساتھ سلانا پڑتا

پہچان

اپنی بیوی سے دعوت کا پروگرام سن کر شوہر نے فوراً گھر سے بیٹ' چھتریاں وغیرہ اٹھا اٹھا کر چھپانی شروع کردیں۔ بیوی حیرت سے بولی۔ ''ایسا بھی کیا ہے؟ کیا آپ کو یہ خطرہ ہے کہ مہمان آپ کی چیزیں چرالیں گے؟''
''یہ بات نہیں۔'' شوہر بولا۔ ''مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنی چیزیں پہچان نہ لیں۔''

مرسلہ: پروین بلوچ۔ کوئٹہ

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔"

"کتنا پارا سا ہے زرینہ......!"

سوئے وجود کو اس نے اٹھا کر خود میں بھینچ لیا۔

ننھی سی جان نے کسمسا کر رونا شروع کر دیا۔

"باسط کہہ رہے تھے' یہ تم سے ملتا ہے۔"

زرینہ کے چہرے پر یاں بن کر عجیب سا فخر تھا۔ کتنی منتیں مرادیں مانگی تھیں' کتنے چڑھاوے چڑھائے تھے' جب یہ فخر حاصل ہوا تھا۔

"ہیں......! پھر تو میرا ہوا ناں' نام بھی میں رکھوں گی' دیکھو تو کتنی ساری چیزیں بنائی ہیں میں نے اس کے لیے۔"

اشتیاق سے اس نے بیگ کھول کر کتنی ہی چیزیں دکھائیں۔ چھوٹے چھوٹے کپڑے' سوئٹرز' موزے' رنگ برنگے ڈھیروں کپڑے اس نے اردگرد پھیلا لیے' زرینہ گل اس کی معصومیت پر مسکرا دی۔ اس حویلی کے وارث کا ارمان سب کو ہی شدت سے تھا مگر اسے تو اس ننھی سی جان سے جیسے عشق تھا۔

"تمہیں بچے بہت اچھے لگتے ہیں ناں!"

زرینہ گل کو ابھی تک یاد تھا' کس طرح وہ ملازمین کے بچوں کو گود میں چڑھائے پھرتی تھی۔ عمو جان کا گزر ایک دفعہ زنان خانے میں ہوگیا تھا' اس کی گود میں بچے کو دیکھ کر انہوں نے اسے جس طرح دیکھا تھا' وہ سہم گئی تھی۔ جلدی سے رحمتے کی نواسی کو گود سے اتار کر سر پر چادر دوبارہ جمائی تھی۔

"یہ کمی کمین کے بچے ہماری اولادوں کے گود میں...... کہاں ہے گل ناز اور زرینہ گل؟"

ان کی گرج دار آواز پر سب ہی دوڑے ہوئے آئے۔ لمبے چوڑے وجود کے ساتھ سفید داڑھی اور سفید شلوار کرتا اور بڑی سی چادر...... ان کی ظاہری شخصیت ہی اتنی بارعب تھی' اوپر سے گونج دار آواز' سب ہی سر جھکائے کھڑے تھے۔

"سمجھا دو اس گستاخ لڑکی کو' ہم اپنی خون میں تو کیا' اپنی نگاہ میں بھی ان کمی کمین کو شامل نہیں کرتے' آئندہ ہم اس کی گود میں کسی کا بچہ نہ دیکھیں ورنہ......"

اس 'ورنہ' کے بعد وہ بے شک لمبے لمبے قدم اٹھاتے باہر نکل گئے تھے مگر سب ہی جانتے تھے کہ کیا کچھ ہوسکتا ہے۔ اس دن کے بعد اس نے کبھی کسی بچے کی طرف نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اسی وقت اس کے رنجیدہ چہرے کو دیکھ کر زرینہ گل نے اسے اپنا بچہ دینے کا وعدہ کرلیا تھا۔

"بچے کسے نہیں اچھے لگتے۔" اس نے ننھے منے ہاتھ چومے' زرینہ گل بے ساختہ مسکرا دی۔

"اللہ نے چاہا تو ایسا ننھا منا وجود تمہارے پاس بھی ہوگا۔ عمو جان اور بابا جان کے ساتھ چاچا جان بھی جلد سے جلد تمہاری شادی چاہتے ہیں۔" زرینہ نے اپنی اس پیاری سی کزن کے لیے بہت دعائیں مانگی تھیں۔

"میں ایسے خواب نہیں دیکھتی' میرے لیے خاندان میں کوئی لڑکا نہیں ہے اور خاندان سے باہر عمو جان کی غیرت اور عزت میں حرف آئے گا اور نہ ہی میں مہرینہ گل اور شاہینہ گل کی طرح کی شادی کرسکتی ہوں۔"

وہ حقیقت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت آشنا بھی تھی' جانتی تھی کہ اس سنگلاخ حویلی کے فیصلہ کرنے والے بھی سنگلاخ چٹانوں جیسا دل رکھ کر فیصلے نہ صرف کرتے ہیں بلکہ عمل بھی کرواتے ہیں۔

"چاہے کچھ بڑی عمر سے ہی سہی' ان کی شادیاں تو ہوگئیں۔" زرینہ نے جیسے اسے کسی بھی طرح کے حالات کے لیے تیار کرنا چاہا۔

"بڑی عمر؟ سترہ سالہ لڑکی کو ستر سال کے بڈھے سے بیاہ دیا' اس سزا سے تو بہتر تھا کہ وہ اس حویلی میں ہی رہتیں۔" وہ تلخ ہوگئی۔

"ہوسکتا ہے عفیفہ' حویلی میں اس سے کڑی سزا مقدر ہو جاتی۔"

زرینہ کے تصور میں سفید جوڑے میں ملبوس ہاتھ میں تسبیح اور آنکھوں میں ہراس اور آنسو لیے ریشم کی طرح ملائم گل آگئی جس کا مقدر سنگلاخ حویلی کے اونچے در و دیوار تھے۔

"اپنے گھر میں بھلا کیا کڑی سزا ہوسکتی ہے۔" معصومیت سے کیے گئے اس سوال کا جواب زرینہ گل کے مشاہدے میں گزرا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس پیاری سی لڑکی کی آنکھوں میں وہی ہراس جھانکے اور وہ اس بات کو جان جائے جو اس حویلی کے صرف چند لوگ یا جانثار نوکر ہی جانتے تھے۔

عفیفہ کی گود میں سوئے ہوئے بچے نے اپنے ہاتھ پاؤں مار کر انہیں متوجہ کرلیا' وہ فوراً ہی جھک کر اسے پیار کرنے لگی۔ اس ننھے سے فرشتے کے آنے کے لیے اس نے کتنی دعائیں مانگی تھیں' کتنے ہی نام سوچ رکھے تھے مگر اس وقت اس سرخ و سفید براؤن آنکھوں والے خوب صورت بچے کو دیکھ کر کوئی نام بھی اس کے لیے مناسب نہیں لگا تھا۔ کتنے ہی نام اس نے باسط لالہ اور زرینہ گل کو بتائے اور خود ہی ریجیکٹ کرتی رہی۔

باسط لالہ بے ساختہ ہنس دیے۔

"عفیفہ' بس کرو' بس کل تک کوئی بھی نام پسند کرلو۔" اور وہ جتن میں لگی ہوئی تھی جب عمو جان نے اعلان کر دیا۔

"یہ ہمارے خاندان کا وارث ہے' کل کی لڑکی کیا نام رکھے گی؟ نام ہم نے رکھنا ہے۔"

وہ جواب تک ڈھیروں نام سوچ چکی تھی' بے بسی سے انہیں تک کر رہ گئی۔ اس کی ہر خوشی سے ہی عمو جان کو جانے کیوں بیر تھا' بچپن سے لے کر آج تک وہ انہیں اس آس پر دیکھتی رہی تھی کہ شاید کبھی ان کی نگاہوں کی برف پگھلے' کبھی پتھر دل موم ہو' کبھی گونج دار آواز میں نرمی گھلے...... مگر آس ہمیشہ آس ہی رہی تھی حالانکہ وہ ان کے لاڈلے چھوٹے مرحوم بیٹے کی اکلوتی اولاد تھی۔

"افسوس اسی بات کا تو تھا کہ وہ اکلوتی اور وہ بھی لڑکی تھی۔" دل کے کونے سے آواز آئی تو اس نے سر جھکا لیا۔

"عمو جان کو ان کی پسند کا نام رکھنے دو' کاغذات میں تمہارا ہی تجویز کردہ نام رکھا جائے گا۔"

چاچا رحمٰن نے اس کی اتری صورت دیکھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے مسئلہ حل کر دیا۔

مایوس چہرے پر ایک لمحے میں ہی خوشی کرن بن کر چمکنے لگی۔ وہ چاچا رحمٰن کے فیصلے کی قائل ہوگئی اور اس معصوم گل گوتھنے سے بچے کو عمو جان کے منتخب کردہ نام "گل شاہ" سے پکارنے لگی۔ گو کہ عمو جان کا تجویز کردہ نام اسے تو قطعی پسند نہیں آیا تھا مگر مجبوری تھی۔

☆......☆

چڑیوں کی چہچہاہٹ نیلے افق پر ابھرتے سورج کی کرنیں اور موتیا کی مہک اس کھلی کھڑکی سے خوب صورت احساس جگا رہی تھیں۔ نماز پڑھنے کے بعد کتنی دیر وہ کھڑکی میں پردے کو ایک ہاتھ سے پکڑے کھڑی رہی تھی' اجنبی جگہ کی صبح اس کو بہت خوشگوار محسوس ہوئی تھی حالانکہ رات کو بار بار آنکھ کھلتی رہی تھی۔ اپنے گھر میں تو امی کی مسلسل جھاڑ اور ہدایتیں بھی اس کو بستر سے ہلا نہیں پاتی تھیں' بقول کائنات کے۔ "رمشا کی صبح پھٹکاروں سے ہوتی ہے۔" مگر وہ ڈھیٹ بنی سوئی رہتی تھی البتہ اسے ابو نے نماز کی پابندی کروا دی تھی۔ وہ فجر کے وقت مسجد جانے سے پہلے دونوں بہنوں کو آواز دے کر جاتے تھے اور وہ لوگ ان کی پہلی ہی آواز میں اٹھ بھی جاتی تھیں۔ کھلے صحن میں ہی گرمیوں میں جا نماز بچھا کر نماز اور تلاوت ادا کرتیں۔ امی کچن میں چائے کا پانی رکھتیں اور وہ چار رکعت ادا کرکے بستر پر سر تک چادر اوڑھ کر سو

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

جاتی۔ امی لاکھ آوازیں دیتیں، ڈانٹتیں، مگر وہ سوتی رہتی۔ خاص طور پر چھٹی والے دن تو اس کی صبح دس بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی مگر اس اجنبی گھر میں اسے کسی طور نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ نیچے جاتے ہوئے بھی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ بیڈ کی چادر دوبارہ بچھائی، بالوں کو کھول کر پھر بنایا، وہ کتنی دیر تک یونہی کھڑکی میں کھڑی موسم سے لطف اندوز ہوتی رہی مگر وقت گزر ہی نہیں رہا تھا۔ بھوک سے جان نکل رہی تھی۔ رات میں پہلے وہ ملازمہ لڑکی جس کا نام آنٹی نے اجالا بتایا تھا، اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تھی مگر اس نے کچھ دیر پہلے ہی کھڑکی سے اس کڑوے کریلے کو اپنی گاڑی سے اترتے دیکھا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یقیناً وہ بھی ڈنر میں شریک ہوگا، اس لیے بعد میں آنٹی کے آنے پر اس نے بھوک نہ لگنے کا بہانہ کر کے ٹالا تھا اور آنٹی بصد اصرار اس کو ایک دودھ کا گلاس پلا گئی تھیں مگر اب پیٹ دہائیاں دے رہا تھا۔ دو گلاس پانی پی کر خالی پیٹ میں مزید اینٹھن ہو رہی تھی۔

"آپ کو ناشتے کے لیے بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔"

اجالا پیغام لے کر آئی تو اس نے دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی جو صبح کے ساڑھے آٹھ بجا رہی تھیں یقیناً آنٹی کے ہونہار سپوت اب تک سو رہے ہوں گے کیونکہ وہ جانتی تھی کراچی کے لوگ صبح خیز نہیں ہوتے تھے، سو فوراً ہی اجالا کے جانے کے بعد ڈائننگ روم میں آئی مگر دروازے پر رک گئی۔ سوٹ بوٹ میں ملبوس وہ موصوف اس کی ساری خوش فہمیوں کو جھٹلاتے سلائس پر جیم لگا رہے تھے۔ اس نے فوراً پلٹنے میں عافیت جانی۔

"رمشا! کہاں جا رہی ہو؟" ابھی اس نے دو قدم ہی بڑھائے تھے کہ آنٹی کی آواز پر تھم گئی۔

"آؤ ناشتا کرو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تم نے۔" وہ خود اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کو لیے ٹیبل پر آ گئیں۔

وہ سلام کر کے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کے سلام پر جیم لگاتا ہاتھ رکا، نظریں اٹھی تھیں اور پھر دوبارہ وہی مصروفیت تھی۔ اسے اپنا یوں نظر انداز ہونا خاصا کھلا تھا۔ آنٹی اس کے آگے ناشتے کی پلیٹیں رکھتی جا رہی تھیں۔ وہ یونہی گود میں ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔

"لو ناں رمشا......!" چائے کا کپ اس کو دیتے ہوئے آنٹی نے دوبارہ کہا تو وہ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا بیٹھی۔

"اللہ حافظ! مجھے دیر ہو جائے گی۔" اچانک ہی اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سائیڈ پر رکھا بریف کیس اٹھا کر آنٹی کی طرف منہ کیا، وہ بھی گردن ہلانے لگیں۔

"آپ میری وجہ سے بھوک ہڑتال نہ کریں، میرے رویے سے آپ ہرٹ ہوئیں، آئی ایم سوری!"

دوسرا جملہ خاصے کھردرے انداز میں ایک قدم آگے بڑھ کر یقیناً اسی سے کہا گیا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر گلاس رکھا اور اس کے سمت متوجہ ہوئی مگر اس وقت تک وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس نے آنٹی کی طرف دیکھا وہ سنجیدگی سے چائے پی رہی تھیں۔

"لو بھئی شروع کرو......" ان کے اصرار اور اپنے پیٹ کی دہائیوں پر اس نے پلیٹ میں رکھا سلائس اٹھا لیا۔

"یونیورسٹی کے ایڈمیشن فارم ہم لوگ پرسوں جا کر لے آئیں گے، کل تو اتوار ہے۔" آنٹی نے کہا۔

"آپ مجھے ایڈریس سمجھا دیں، میں خود ہی چلی جاؤں گی اور آنٹی! یہاں کہیں ہاسٹل کا انتظام بھی......"

"پلیز رمشا! مجھے شرمندہ کر رہی ہو تم، مطیع نے بھی تو معذرت کر لی ہے تم سے، مجھے کائنات کی بیٹی بہت عزیز ہے، ہاسٹل میں رہنے کی ضد نہ کرنا۔"

اس کی بات کاٹ کر آنٹی نے اتنے حتمی لہجے میں کہا کہ وہ خود ہی شرمندہ سی ہو گئی۔ ابھی وہ کچھ بول ہی نہ پائی تھی کہ آنٹی نے دوبارہ کہا۔

"اگر تم مطیع کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر نہیں بیٹھنا چاہتیں تو میں آج سے اس کے کمرے میں ہی ناشتا بھجوا دوں گی۔"

"نہیں، نہیں آنٹی! میرا یہ مقصد نہیں ہے آئی ایم سوری۔"

اب وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے ہی گھر میں پابند کر دیا جائے۔ بن بلائی مہمان تو وہ تھی، تھوڑا لحاظ مروت اور صبر اسے کرنا چاہیے تھا، خوامخواہ ذرا سی بات کو وہ انا کا مسئلہ بنائے بیٹھی تھی، اب اس کا حلیہ ہی ایسا تھا، پھر کون سا وہ بہت حسین و جمیل یا وینس کی شہزادی تھی جو وہ اسے دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھول جاتا یا تعظیم بجا لاتا، قصور بھی خود اس کا ہی تھا۔

اس نے خود کو ڈانٹا اور اپنی ہی فضول حرکت پر خود کو سرزنش کرتے ہوئے وہ نہ صرف رات کے جانے پر ٹیبل پر آئی بلکہ اس کو سلام بھی کیا اور ڈشز ٹیبل پر رکھنے لگی۔

"وعلیکم السلام!" قدرے حیرت زدہ ہوتے اس نے جواب دیا اور اپنے آگے پلیٹ پر جھک گیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ کانٹوں اور چمچوں کا مدھم سا شور گونج رہا تھا۔

"پرسوں صبح تیار رہنا، فارم لینے یونیورسٹی چلیں گے۔" خاموشی کے وقفے کو آنٹی نے توڑا۔

"میں چلی جاؤں گی، آپ تھوڑا گائیڈ کر دیجیے گا۔" اپنی وجہ سے وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی ورنہ اکیلے جانے کا خوف ضرور تھا۔

"نئی جگہ ہے اور تم لڑکی......" آنٹی میزبانی کے چکر میں ہچکچائی تھیں یا اس کے لڑکی ہونے پر، ورنہ اس نے فیصل آباد سے کراچی تنہا ہی سفر کیا تھا۔

"مجھے بتا دیں، کیا کرنا ہے، کون سا فارم لانا ہے، میں لا دوں گا۔" بغیر کسی کو مخاطب کیے اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔

"نہیں......! میں......" اب حالات ایسے بھی خوشگوار نہ تھے کہ وہ بخوشی اپنے کام اس کے سپرد کرتی۔

"ایڈمیشن فارم ہیں؟" اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس بار براہِ راست سوال پوچھا گیا۔ لہجہ ہمیشہ کی طرح کھردرا ہی تھا۔

"جی......!" اس نے فوراً ہی میکانیکی انداز میں گردن ہلا دی۔ دوسرے ہی لمحے اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اب اسے کسی طرح روکنا یا جتانا خود کو پسند نہ آ رہا تھا۔ آنٹی حسب معمول خاموشی سے کھانے میں مصروف تھیں۔ اس نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی بھی مگر شاید وہ بیٹے کے معمولات میں کم ہی دخل دیتی تھیں۔

'ایسے ہلاکو خاں کے معاملے میں کم ہی بولنا چاہیے، عقل مندی کا تقاضا ہے۔'

پھر نہ صرف اس نے پیر کی رات کو آنٹی کے ہاتھ فارم بھجوایا بلکہ کہلوا بھی دیا کہ فل کر کے دے دے تو وہ جمع کروا دے گا۔

اس نے فارم لے لیا اور اسی روز فل کر کے اپنے ہینڈ بیگ سے فیس کی رقم نکال کر سفید لفافے میں رکھ کر آنٹی کو ڈھونڈتی نیچے آئی۔ کچن میں جھانکا تو اجالا برتن دھو رہی تھی، اس نے اس سے پوچھ لیا۔

"بیگم صاحبہ اور صاحب ٹی وی لاؤنج میں ہیں۔"

اجالا کی نشاندہی پر وہ لمبے پیسج کو عبور کرتی دائیں طرف ٹی وی لاؤنج کی طرف آ گئی۔ آنٹی اون سلائیاں لیے یقیناً سوئیٹر بن رہی تھیں اور وہ ٹی وی میں گم تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے متوجہ کیا تو دونوں ہی اس کی طرف دیکھنے لگے مگر دوسرے ہی لمحے وہ

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوبارہ ٹی وی دیکھنے لگا۔

''آؤ رمشا......!'' آنٹی نے ہمیشہ کی طرح اس کو پیار سے بلایا' وہ آہستگی سے جا کر ان کے برابر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''یہ فارم فِل کر دیا ہے۔'' اس نے فارم کے ساتھ لفافہ بھی انہیں پکڑایا۔

انہوں نے اچنبھے سے پہلے لفافہ دیکھا' پھر کھولا۔

''تم اتنی غیریت کیوں برت رہی ہو رمشا؟'' آنٹی نے لفافہ واپس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''یہ غیریت نہیں ہے آنٹی' اصول ہے۔ اگر اسی طرح آپ مجھے محبتوں کی زنجیر میں مقید کرتی رہیں گی تو لازمی طور پر میں یہاں سے جانے کی بات کروں گی' مجھے آپ امی کی طرح کھلا چھوڑ دیں' پلیز آنٹی تاکہ میں خود کو اس گھر میں ایڈجسٹ کر پاؤں۔''

اس نے ہولے سے بات سمجھانی چاہی مگر آنٹی ہنوز خفگی سے اسے دیکھ رہی تھیں جب وہ اچانک اس کی طرف مڑا۔

''لائیں دیجیے۔'' اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس شخص نے اس سے فارم اور لفافہ لے کر سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھ لیے۔

وہ اس کی اس حرکت پر کچھ کنفیوژ سی ہو کر اسی کو دیکھتی رہی' جانے وہ خفا ہو گیا تھا یا غصے میں تھا' وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی اور کھردرا پن نمایاں تھا۔

''محبتوں کی زنجیریں اتنی بھاری نہیں ہوتیں جتنی احسان کی بیڑیاں طوق کی طرح گلے میں لپٹ کر سانس روکنے لگتی ہیں۔''

بہت مبہم سی بات بہت ہی نرم آواز میں جانے کس سے کہی گئی تھی' اس نے حیران ہو کر اس کی شکل میں کچھ کھوجنا چاہا مگر وہ ریموٹ اٹھائے چینل سرچنگ میں لگا ہوا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر آنٹی کو دیکھا' ان کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ ناقابلِ فہم سے تھے البتہ آنکھوں میں گہری اداسی کی کیفیت تھی۔ اس نے بے ساختہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ بچپن سے ہی ایسا ہے۔'' سر جھٹکتے ہوئے انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی مگر ان کی آنکھوں نے ساتھ نہیں دیا تھا۔

☆......☆

بہت ساری باتوں کا ہونا یا نہ ہونا اختیارات کی زد سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ بس ایک بے بسی اور جامد خاموشی خود پر اوڑھ لینے سے بہت سی باتوں سے انجان بن کر خود کو ماحول میں مدغم کرلینا بے حسی تو ضرور بخشتا ہے مگر آگہی کا دکھ بھی کم کر دیتا ہے' سو وہ بھی حیران حیران سی گل ناز چاچی کے منہ سے نکلے الفاظ سن کر سن ہو گئی تھی۔ اس کی فرمائش کوئی ایسی بھی بے جا نہ تھی۔ تعلیم کا حصول اس کا خواب تھا جو اس کے مرحوم باپ نے اس کی معصوم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے عمو جان کے آگے چادر لپیٹے ایک عورت کو کر کے کہا تھا۔

''یہ عفیفہ کے لیے ٹیوٹر ہے۔'' جیسا بارود بھرا جملہ کہہ دیا تھا اور عمو جان جانے اپنے لاڈلے یافتہ بیٹے سے ہارے تھے یا اس کی معصوم خواہش کا پاس رکھا تھا۔ جو بھی تھا' وہ کچھ نرم ہو گئے تھے مگر ایک بڑی بحث کے بعد...... جانے کیوں اس کا وجود عمو جان کے لیے اکثر ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا۔

ان کے نیک خیالات میں عورت اگر پڑھ لکھ لے تو غیر مردوں کو خط لکھتی ہے اور مردوں کے معاملات میں بولنے لگتی ہے جو کہ انہیں قطعی گوارہ نہ تھا مگر عمو جان کے چھوٹے لاڈلے اور قدرے ضدی بیٹے عبدالودود کی وجہ سے پہلی دفعہ استانی جی نے اس حویلی کے بڑے سے دروازے کو عبور کر کے انہیں دینی تعلیم کے ساتھ کچھ دنیاوی تعلیم بھی دی تھی۔

مہرینہ گل اور شاہینہ گل تو اس سے خاصی بڑی تھیں اور سترہ سال کی عمر میں ہی بیاہ دی گئی تھیں جبکہ زرینہ اس سے پانچ سال بڑی ہونے کے باوجود اس کے ساتھ الف' بے' ایک دو تین اور اے بی سی جیسے حروف سے آشنا ہوئی تھی۔

ابھی وہ ناظرہ کا کورس بھی پورا نہیں کر پائی تھی کہ اس کے بابا جی بستر پر آ گئے۔ عمو جان نے اپنے بیٹے کے لیے کوئی ڈاکٹر' حکیم نہ چھوڑا تھا مگر بیماری سمجھ سے باہر تھی۔ آہستہ آہستہ ان کا وجود گھٹتا چلا جا رہا تھا اور عفیفہ کے لیے وہی سب کچھ تھے۔ اس کی ڈھال' ان کا مان' اس کا سب کچھ...... ماں تو اس کی پہلی چیخ کے ساتھ ہی دنیا میں آخری سانس لے کر رخصت ہو گئی تھی مگر باپ کا سایہ اس پر کسی سایہ دار درخت اور مضبوط سائبان کی طرح تھا۔ عمو جان کی سختی' ڈانٹ سب وہ برداشت کر لیتی تھی' بس بابا جان کا ہاتھ اس کے سر پر ہونا چاہیے تھا۔ وہ ساری پڑھائی چھوڑ کر ان کی پٹی سے لگ گئی تھی۔

''تم میٹرک کی تیاری کرلو میرے بعد شاید تمہیں عمو جان اجازت نہ دیں۔''

ان کے پژمردہ لہجے میں بھی امید کی کرن تھی۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر بہت روئی تھی۔ عمو جان بے شک خاصے سخت اور اصول پسند تھے مگر اس کے لیے تو اکثر سنگدل اور بے حس ہو جاتے تھے۔ وہ حیران ہو کر زرینہ' شاہینہ' مہرینہ اور باسط لالہ سے اپنا موازنہ کرتی' ان کے لیے عمو جان کا رویہ دوسرا اور اس کے لیے الگ کیوں ہوتا ہے مگر اس کا جواب اسے کبھی نہ ملتا۔ باسط لالہ کو تو لڑکا اور اکلوتا ہونے کی وجہ سے خاصی آزادی تھی اور تعلیم صرف عورتوں کو ہی منع تھی' مرد اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس حویلی کی کسی بھی عورت کو یوں تو حویلی سے باہر تک جھانکنے کی اجازت نہ تھی' اس بڑی سی حویلی کی لمبی چوڑی دیواروں میں کوئی ایسی کھڑکی نہ تھی جہاں سے تازہ ہوا آتی ہو یا مٹھی بھر آسمان یا زمین کی خوبصورتی آنکھوں کو خیرہ کر دے مگر اس کے لیے یہ اصول بعض اوقات بے رحم سے ہو جاتے۔

''اتنی دیر کھلے آسمان کے نیچے کیوں کھڑی ہو' عمو جان ناراض ہوں گے۔''

''آہستہ ہنسو' عمو جان نے اگر سن لیا تو......''

''بھاگو مت' عمو جان نے دیکھ لیا تو......''

''دوپٹہ صحیح طرح اوڑھو۔''

''مردانے کے آگے سے کیوں گزر رہی ہو' عمو جان جان سے مار دیں گے۔''

اپنی عمر کے ساتھ ساتھ وہ مختلف جملے سن کر بڑی ہوتی گئی تھی مگر اس کی ڈھال اس کے بابا جان تھے۔

''بعض اوقات والدین کی کیے کی سزا اولاد کو ساری عمر سہنی پڑتی ہے' مجھے معاف کر دینا میرے بچے!''

اس کو سینے سے لگائے عبدالودود کو اپنے ناکردہ کئی گناہ یاد آ گئے تھے جن میں سرفہرست اپنی پسند کی شادی اور اپنی منگ کو چھوڑنا تھا اور شادی بھی خاندان سے باہر بی اے پاس لڑکی سے کی تھی جو ناقابلِ فراموش جرم تھا۔

پلوشہ نامی منگ صرف پانچ سال کی تھی اور دوسرا اپنی پیاری معصوم سی چھوٹی بہن کے ملزم ہونے کا غم انہیں بستر سے لگا بیٹھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وٹہ سٹہ کر کے ریشم گل کی منگنی برادری والوں نے پلوشہ گل کے دو سال بڑے بھائی سے کر دی تھی' سو وہ بھی ختم کر دی گئی اور دشمنی الگ ہوئی۔

''عبدالودود! یہ اچھا نہیں ہو رہا ہے۔''

گھبرائی ہوئی ان کی محبوب بیوی جو عمو جان کی نظر میں بدچلن' آوارہ اور نیک نامی پر دھبہ بلکہ ان کے خاندان پر دھبہ تھیں۔ ان کے سامنے رو پڑیں۔

''کسی کو تو اس سماج کو بدلنا ہے' بگڑے لوگوں کو سنوارنا ہے' پہلا قدم اٹھانے والا پہلا بارش کا

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قطرہ بننے والا کچھ تو عذاب سہے گا ہی' شاید اس طرح ہم اپنی آیندہ نسلوں کو بچا لیں۔" امید کا دامن ہاتھ میں تھامے وہ انہیں تسلی دینے لگے۔

"اور ریشم گل......" ریشم کی طرح نرم وملائم نند سے انہیں بہت پیار ہوگیا تھا۔ صرف وہی تو اسے بھابی قبول کرتی تھی۔

"بہت اچھا ہوا ہے اس کے ساتھ' کیا بچہ پالنے کے لیے نکاح ہوگا؟ ہم اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کو بیاہ دیں گے۔"

عبدالودود کی آنکھوں میں بہن کی محبت اور مستقبل ایک ساتھ روشن ہوئے تھے مگر قسمت کی نامنظوری کی سزا جن ہاتھوں کی لکیروں میں پیوست ہوں' وہ ناکام و نامراد رہ جاتے ہیں۔ ان کی پیاری محبوب بیوی انہیں بیٹی جو عمو جان کی نظر میں کسی گناہ کی طرح تھی' کا تحفہ دے کر انہیں تنہا کرگئی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

سب کچھ معمول پر تھا مگر تغیر زمانے کی فطرت میں رقم ہے' جانے کیسے وہ صرف دو دن کے لیے عمو جان اور عبدالتین کے بے پناہ اصرار پر زمینوں کی طرف چلے گئے تھے اور واپسی پر ان کے اوپر قیامت کی طرح سخت وقت منتظر تھا۔

جانے کیوں زیست کے ٹھنڈے پیالے میں انسانی رسومات ایسے گرم اور تلخ آب انڈیلتی ہے کہ محبتوں کی مٹھاس وقت کے ساتھ ساتھ کڑواہٹ بن کر زہر کی طرح رگوں میں اتر جاتی ہے۔ وہ بھی اپنی رگوں میں بجائے لہو کی گردش کے' نیلا زہر دوڑتے محسوس کر رہے تھے۔ ان کی پیاری لاڈلی ریشم جیسی ریشم گل سرتاپا سفید لباس میں ملبوس ماتھے تک سفید چادر لیے سب سے کونے کے کمرے میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے آنسو بہا رہی تھی۔

"یہ......کیا ہے؟"

ان کو اپنی ہی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔ عبدالرحمٰن تو سر جھکائے بیٹھے تھے مگر عبدالتین کا سر عمو جان کی طرح فخر سے بلند تھا۔ ناز گل اور روزینہ گل کے ساتھ دس سالہ زرینہ گل اپنی پھوپھو کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔

"گل قرآن سے اس کا حق بخشوا دیا ہے۔ یہ اسی حویلی میں رہے گی' تمہیں اس کے لیے کسی کمی کمین کے رشتے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عمو جان کے ہر جملے میں کمی کمین کا ہونا جیسے فرض تھا۔

"یہ ظلم ہے' اس کی اجازت نہ شرعی ہے اور نہ اخلاقی' آپ......"

"ہمارے آگے زبان کھولنے سے پہلے سوچ لو عبدالودود' تمہاری بھی بیٹی ہے۔"

عمو جان نے اپنی مضبوط سیاہ آبنوسی عصا پر زور دے کر کھڑے ہوتے ہوئے گونج دار لہجے میں کہا۔

بے ساختہ ہی عبدالودود نے پانچ سالہ عفیفہ کو خود سے لگا لیا' انہیں حیرت تھی کہ اولاد کی محبت کی زنجیر بھی عمو جان کا دل نہ کھینچ سکی تھی' اکلوتی بیٹی کے زندہ وجود کو اس طرح کفن میں لپیٹ کر انہوں نے بند کمرے میں دوزخ کی سزا جانے کس دل سے دی تھی۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا تھا' عمو جان کے خلاف آواز اٹھانی چاہی تھی' عبدالتین کو آئینہ دکھانا چاہا تھا' عبدالرحمٰن کی بزدلی پر اسے کوسنا چاہا تھا مگر ریشم گل نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"نہ چھوٹے لالہ......! نہ الجھو' ہماری تقدیروں کے فیصلے ہمارے بڑوں کے ہاتھ میں ہیں اور اب تو کچھ نہیں ہوسکتا' میں صبر کرچکی ہوں۔ اللہ کرے اب کسی اور کو اس کڑے امتحان سے نہ گزرنا پڑے۔"

ریشم گل نے گود میں دبکی عفیفہ کو دیکھا اور وہ اس کے سر پر سوائے ہاتھ رکھ کر رونے کے کچھ نہ کرسکے۔ سارے لفظ' سارے فیصلے' سارے اختیارات حتیٰ کہ تقدیر تک کے فیصلے عمو جان اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

Scanned By Famousurdunovels.blogspot

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

عبدالمتین جیسے اشخاص کے ہاتھوں میں تھے اور اللہ ہی جانے کب تک ان کی رسی دراز رہے گی؟

پھر عبدالودود اپنی بہن ریشم کے زندہ وجود پر کفن کے ساتھ ساتھ روح کو بھی پابندِ سلاسل ہوتے دیکھتا رہا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے وہ یا تو سربسجود رہتی یا پھر اپنے آگے رحل پر قرآن رکھے ہونٹوں کو حرکت دیتی رہتی۔ وہ خود بھی جانتی تھی کہ اکثر اوقات وہ بس صرف حرف دیکھتی ہے' اس کے ہونٹ بھی ہلتے ہیں مگر ذہن تک کسی بھی حروف کی رسائی نہیں ہو پائی تھی۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنا دھیان لگاتی مگر کچھ دیر بعد وہی کیفیت طاری ہوجاتی۔ اسے کسی تقریب میں جانے کی اجازت تو کیا' اپنے حویلی میں ہی آزادانہ پھرنے کی آزادی چھین کر اس کے کمرے تک ہی محدود کر دیا گیا تھا جہاں پرانی ملازمائیں مختلف اوقات میں اس کے لیے کھانے' ناشتے کا بندوبست کردیتیں اور پھر اس کے ہاتھ چوم کر الٹے قدموں باہر نکل جاتیں۔ کسی کو پانی پڑھوانا ہوتا' کسی کو بچے کو دم کروانا ہوتا تو کوئی شفا کے لیے یا خاندانی جھگڑوں کے لیے دعائیں کروانے آتی۔

"ریشم! یہ سب کیا ہے' تم بغاوت کیوں نہیں کردیتیں؟"

کتنے مہینوں بعد عبدالودود اس کے کمرے میں آئے تھے جہاں وہ سفید چادر اوڑھے کالی اور پیرمئی رنگ کی جاءنماز بچھائے ہاتھوں میں سفید ہی تسبیح لیے عفیفہ کو دم کر رہی تھی۔ عبدالودود نے محسوس کیا تھا کہ درو دیوار سے لے کر ہر چیز میں سفید اور کالے ہی رنگ کی حکمرانی ہے۔

"مقدر سے کون بغاوت کرتا ہے لالہ؟" اس نے سفید چادر کو مزید خود میں یوں لپیٹ لیا جیسے بے حسی کو اوڑھ لیا ہو' وہ چپ رہ گئے۔

"لالہ' یہ پڑھ رہی ہے ناں؟" کتنی دیر بعد اس نے خود ہی خاموشی کو توڑا اور آٹھ سالہ عفیفہ کو پیار کیا۔

"ہاں' عمو جان کی اجازت بہت مشکلوں سے حاصل کی ہے' شاید پھر کوئی اس حویلی میں زندہ نہ دفن ہو۔" ان کی آنکھوں میں عفیفہ کو دیکھ کر امید کی کرن روشن ہوئی تھی۔

"عمو جان کے بعد متین لالہ پھر رحمن لالہ پھر باسط اور پھر کوئی اور نئی نسل...... لالہ' تم ان سے الگ کیوں ہو؟ یہ سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں' بس کوئی تھوڑا کم ظالم ہے' کوئی زیادہ...... ہم روایات کے پابند لوگوں کے مقدر میں یونہی لکھا ہے لالہ' شاید آپ کی وجہ سے کوئی روشنی کی کرن پھوٹے اس سنگلاخ اندھیری حویلی میں۔"

خاموشی کو اوڑھنا بچھونا بنا لینے والی ریشم صرف عبدالودود کے سامنے ہی کھلتی تھی ورنہ یہاں زبان بھی رہن ہو چکی تھی۔

"ہاں' شاید...... میں اپنی زندگی میں ہی اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں' ریشم تم دعا کرو' تمہاری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔"

"لالہ' اگر دعائیں یوں ہی قبول ہوتیں تو میں سراپا دعا بن جاتی' ہمیں تو شاید کسی کی بددعا ہے' اس لیے دعائیں بھی بانجھ ہیں۔"

اس کے لبوں پر زمانے بعد آنے والی مسکراہٹ ایسی تھی کہ عبدالودود کو اپنا وجود ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔

"خدا کے لیے' ریشم' میری امید مت توڑو۔"

"امید ٹوٹ بھی جائے مگر یہ ضرور دعا کروں گی کہ آرزو نہ ختم ہو۔" ریشم نے اپنے پیارے لالہ کو ہمت دلائی۔

"تم نے اپنے کمرے میں صرف سفید و سیاہ رنگ کیوں رکھے ہیں؟" انہوں نے بات ہی بدل دی اور خانہ کعبہ کے طغرے کو دیکھنے لگے۔

"سیاہ رنگ اللہ تعالیٰ کے گھر کا رنگ ہے اور سفید رنگ نبیوں' ولیوں کا رنگ ہے۔"

ریشم کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ لالہ کی آنکھوں میں امید کی کرن ہے'

چہرے پر بہادری کی چمک ہے' وہ انہیں مایوس نہ کرنا چاہتی تھی ورنہ اس کی زندگی میں سرے سے رنگ ہی نہ تھے۔

"ہاں' لیکن ہرا رنگ بھی تو سبز گنبد کا ہے۔" وہ یونہی مسکرائے تھے۔

"آپ مجھے لا دیجیے گا' میں اپنے کمرے میں لگا لوں گی۔" ریشم بھی یونہی کہہ بیٹھی تھی اور انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

مگر کوئی بھی رنگ اس کے کمرے میں رکھنے سے پہلے ہی وہ نیلے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ عبدالودود نے لاکھ سر پٹخا' چیخے چلائے حتیٰ کہ رو دھو کر آنکھوں میں بغاوت کے سرخ ڈورے لیے عمو جان کے شاندار آستانے میں گئے مگر بے سود تھا' ریشم گل کا جرم اتنا بڑا تھا کہ یہ بھیانک سزا اسے ملنی تھی۔ وہ سچائی کے لیے منصور کی طرح دار پر چڑھ گئی تھی' سقراط کی طرح زہر کا پیالہ پینے پر خوشی سے رضامند ہوگئی تھی' شاید سچ کی طاقت رگ و پے میں اتر جائے تو قوت ارادی خود بخود مضبوط ہوجاتی ہے۔

"باہر لان کی طرف نکل کر ننگے سر غلام نبی کے ساتھ بات کر رہی تھی' عمو جان اور متین لالہ نے دیکھ لیا۔"

بین کرتے ہوئے زرینہ گل نے عبدالودود کو بتایا تھا۔ وہ حیرانگی سے اپنی بھرجائی کا روتا ہوا چہرہ دیکھنے لگے۔

اسے تو اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی پھر' پھر...... انہیں اپنے دماغ میں بگولے سے اٹھتے محسوس ہو رہے تھے۔

"ہم اپنی ناموس کی حفاظت کرنے والے غیرت مند لوگ ہیں' ہماری بہن بیٹیاں اس طرح پرائے مردوں سے ننگے سر ملیں' ہماری برداشت سے باہر ہے۔" عبدالمتین نے اپنی اونچی دستارِ فخر سے یوں اپنے سر پر بٹھائی گویا سینے میں سجا تمغہ ہو۔

"عبدالمتین' غلام نبی تو......" عبدالرحمن نے پریشانی اور حیرانی سے کچھ یاد دلانا چاہا۔

"تم خاموش رہو' گستاخ' بزدل...... تمہاری تو غیرت تھی یا وہ بھی عبدالودود کے ساتھ رہنے چلی گئی؟"

عمو جان کی گرم آواز میں عبدالرحمن کی آواز دب کر رہ گئی۔ وہ خاموشی سے ہمیشہ کی طرح سر جھکا گئے مگر عبدالودود نے باغی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے اور ہمارے فیصلے سے اختلاف کا مطلب جانتے ہو تم......؟"

"کیا کریں گے آپ' کیا کر سکتے ہیں سوائے عاق کرنے کی دھمکی کے' مجھے نہیں چاہیے یہ دولت' جائیداد جس پر آپ فرعون کی طرح فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں۔"

عبدالودود اتنے زور سے چلائے تھے کہ گلے کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ مردان خانے کے باہر کھڑی تینوں عورتوں نے گھبرا کر بند دروازے کو دیکھا اور زیرِ لب اپنے اللہ سے مدد مانگنے لگیں۔

"ہمارے غضب کو آواز دے رہے ہو تم عبدالودود' تم اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ مجھ پر چلاؤ' میں تمہیں......"

عمو جان اپنے گاؤ تکیے والی اونچی مسند سے پھر کر اٹھے اور اس کی طرف غضب ناک ہو کر بڑھتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا لیا۔

"حق کی آواز کے لیے چلاؤں گا میں' میری معصوم بہن' آپ...... آپ ظالم ہیں عمو جان' ظالم......"

بے بسی کے احساس کے ساتھ ہی ان کو اپنی کمزوری کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ رہ رہ کر ریشم گل کا نیلا چہرہ نگاہوں کی زد میں آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئے اور باہر صحن میں رکھی کرسی پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگے۔

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

زرینہ گل، گلناز اور پندرہ سالہ زرینہ گل، عفیفہ کی انگلی تھامے خود بھی آنسو بہاتی انہیں دلاسے تسلیاں دینے لگیں۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ، غلام نبی کون ہے اور ریشم گل...... کس نے اسے زہر دیا؟'' انہوں نے عاجزی سے بھاوجوں کی طرف دیکھا۔

گلناز نظریں چرانے لگی جبکہ زرینہ گل کچھ کہنے کی کوشش میں سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہ کرپائی۔ ان کے ہونٹ کانپ کے رہ گئے تھے۔

''چاچا، عمو جان نے بڑے پیالے میں دودھ کے ساتھ...... اور خود پھوپھی کے کمرے میں لے کر گئے تھے، ہم لوگوں کو باہر نکال دیا تھا، کچھ دیر بعد پھوپھو...... پھر انہیں آبائی قبرستان میں دفنا دیا۔''

زرینہ گل نے سسکیوں کے درمیان بتایا۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ بہادر نکلی تھی۔ اسے اپنی نرم ملائم دھیمے دھیمے لہجے میں باتیں کرتی، پیار کرتی پھوپھو کے ساتھ ناانصافی کا غم وغصہ تھا۔ عمو جان، بڑے تایا اور باپ کے سامنے تو وہ کچھ بول نہ پائی تھی مگر اس سسٹم کے سب سے الگ اور رحم دل چاچا کے آگے اس نے فوراً زبان کھول دی تھی۔

''اور چاچا، غلام نبی تو جلاہے، وہ حویلی کے اندر کھانا مانگنے آیا تھا اور پھوپھو نے......''

عبدالودود نے تعجب سے بھتیجی کی بات سنی تھی اور جب سمجھ آئی تو ان کا دل چاہا، وہ ہر شے تہس نہس کردیں، وہ اسی ارادے سے اٹھے تھے مگر دوسرے ہی لمحے لڑکھڑا گئے، جانے بہن کی بے بسی کا دکھ تھا یا اپنی کمزوری کا غم جو انہیں ہوش وحواس سے بے گانہ کرگیا تھا۔

☆......☆

سڑک کے بیچوں بیچ مختلف اقسام کی گاڑیوں کے درمیان وہ شخص بھی اپنی بلیک ہنڈا سٹی کسی روبوٹ کی طرح چلا رہا تھا۔ ایک دو بار اس نے ڈرتے ڈرتے سر گھما کر اس کا چہرہ جانچنے کی کوشش کی تھی مگر وہاں ہنوز اکھڑپن اور سنجیدگی نمایاں تھی۔ بھاری مونچھوں تلے لبوں کو بھینچے گردن کچھ اکڑی ہوئی سی تھی جبکہ بڑی بڑی آنکھیں ونڈ اسکرین کے پار تھیں، مضبوط مردانہ ہاتھ اسٹیئرنگ پر حرکت کررہے تھے۔

وہ اس کی اتنی بھاری بھرکم شخصیت اور کھردرے انداز پر سٹپٹائی ہوئی سی ہاتھ مسلتے ہوئے اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ صبح یونیورسٹی کے لیے جاتے ہوئے اس نے وارڈروب دیکھی تو اسے اپنے کپڑوں کی کمی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ پچھلے پندرہ اٹھارہ دنوں میں اس نے سارے ہی کپڑے استعمال کرلیے تھے مگر کپڑے ہی کتنے تھے، زیادہ تر تو بیگ میں کتابیں اور امی کی سوغاتیں تھیں۔ سو اس نے اس مسئلے کو آنٹی سے شیئر کرلیا۔ وہ بے چاری خود بائیں ہاتھ میں درد کی وجہ سے پریشان تھیں۔

''تم کچھ شاپنگ کرلو۔'' انہوں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی، سو اثبات میں سرہلانے لگی۔

''مجھے یہاں کے بازاروں وغیرہ کا پتا نہیں ہے۔'' اصل مسئلہ اس کے لیے یہی تھا، یونیورسٹی میں بھی کوئی ایسی خاص دوستی نہ تھی۔ اگر ہوتی بھی تو آنٹی کی اجازت کے بغیر خود ہی بازاروں کے چکر کاٹنے نہ نکلتی۔

''میں چلتی ہوں، ذرا دوائی وغیرہ لے لوں، اس درد نے تو بے حال کردیا ہے۔'' انہوں نے اپنا بازو دباتے ہوئے کسی قدر بے زاری سے کہا۔

''نہیں، نہیں، آنٹی، آپ ڈرائیور سے کہہ دیں۔'' اس نے فوراً ہی منع کردیا۔ اپنی وجہ سے وہ قطعی انہیں تکلیف نہ دینا چاہتی تھی۔

''اچھا......'' کچھ دیر اصرار کے بعد انہوں نے کچھ سوچا۔

''السلام علیکم!'' اچانک ہی لاؤنج سے بھاری آواز گونجی۔ وہ فوراً ہی پلٹی، آنٹی نے بغیر اسے دیکھے جواب دیا۔

''ذرا رمشا کو بازار تک لے جاؤ، اسے کچھ کپڑے خریدنے ہیں۔''

ابھی وہ صحیح طرح سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ آنٹی نے مدعا بیان کیا۔ وہ آنٹی کی جلد بازی پر جزبز سی ہوئی۔ پچھلے پندرہ دنوں سے ناشتے اور رات کے کھانے کی ٹیبل پر سوائے سلام کے، وہ اس سے کوئی بھی بات نہ کرتی تھی۔ اول تو موصوف کا موڈ ہی ہر وقت تناتنا سا رہتا تھا، دوسرا اس کی ساری توجہ اخبار کے فرنٹ پیج پر ہوتی تھی اور رات کے وقت سارا دھیان صرف اور صرف اپنی پلیٹ پر ہوتا تھا پھر شاید آنٹی بھی اپنے بیٹے کی عادت سے واقف تھیں، سو اس کے آگے کھانا، ناشتا رکھتے ہوئے رمشا سے ہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہتیں اور وہ جلد از جلد کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کو ترجیح دیتی۔ آنٹی بھی اپنے لاڈلے سے کم ہی مخاطب ہوتی تھیں کچھ وہ اسے کم گو بھی لگی تھیں، سوائے ضروری باتوں کے، وہ کم ہی اسے مخاطب کرتیں البتہ ایک مسکراہٹ ہر وقت ان کے چہرے کا احاطہ کیے ان کو خاصا خوب صورت بنائے رکھتی مگر بیٹا ان کے بالکل الٹ تھا۔ کم گو تو کیا تھا، لفظ ہی گن گن کر یوں بولتا گویا قیمتی ہوں۔

اب بھی آنٹی کی بات پر یوں چونکا تھا جیسے خلاف توقع ہو اور یقیناً تھی بھی...... دو چار لمحے تو وہ بالکل خاموش رہا پھر حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''مجھے لیڈیز شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' یقیناً مہمان کے احترام میں اپنے لفظوں کو نرم رکھا تھا مگر لہجہ ہنوز تھا۔

''میں اسے ڈرائیور کے ساتھ نہیں بھیجنا چاہتی، خیر تم تیار ہوجاؤ، میں چلتی ہوں۔''

انہوں نے بیٹے سے زیادہ اصرار نہ کیا اور خود بھی اسے تیاری کا کہہ کر اٹھ گئیں۔ وہ اپنی وجہ سے انہیں پریشان ہوتا دیکھ کر سخت شرمندہ ہورہی تھی۔

''آج رہنے دیں آنٹی، پھر کسی دن چلیں گے، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے حتی الامکان انہیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانیں بلکہ اسے ''میں ٹھیک ہوں۔'' کہتی رہیں۔ وہ بھی خوامخواہ اپنی وجہ سے یوں انہیں پریشان دیکھ کر امی کو یاد کرنے لگی۔ ساتھ ہی اسے اپنی پیاری دوست ماہین بھی یاد آنے لگی جو کہ بازاروں اور کالج فنکشنز وغیرہ میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

''چلیں، میں گاڑی نکال رہا ہوں۔''

ہمیشہ کی طرح اچانک ہی وہ مہربان ہوکر نہ صرف اٹھ گیا تھا بلکہ کوٹ کی جیب سے کی چین نکال کر پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس نے حیرانی سے آنٹی کی شکل دیکھی۔

''اب تمہیں یونہی جانا پڑے گا۔'' انہوں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے حلیے کو دیکھا۔

پلین کاٹن کے ایپل گرین سوٹ پر اس نے پرنٹ کیا ہوا بڑا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا، بال صبح یونیورسٹی جاتے ہوئے ہی باندھے تھے، منہ بھی اسی وقت دھویا تھا اور کپڑے بدلے بغیر ہی سوگئی تھی۔ اس کا حلیہ ہرگز بازار جانے کے قابل نہ تھا مگر باہر سے ہارن کی آواز آنے لگی۔ وہ جو بالوں میں برش کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی، تیزی سے اپنا بیگ لے کر بھاگی۔ جانے کب موصوف کے تیور بدل جاتے۔ پل میں تولہ، پل میں ماشہ شخص تھا۔

وہ فرنٹ ڈور کھولے گاڑی اسٹارٹ رکھے منتظر تھا۔ ابھی وہ صحیح طرح بیٹھی بھی نہ تھی کہ ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھ گئی تھی اور وہ گھبرائی ہوئی اس گھڑی کو کوس رہی تھی جب اس نے آنٹی سے شاپنگ کے لیے کہا تھا اور آنٹی نے اس 'کڑوے کریلے' کو ساتھ کردیا تھا۔

اس نے اطراف کا جائزہ لیا، خاصی بڑی

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

مارکیٹ تھی' پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ خود بھی اتر کر اس کے ساتھ آ گیا۔ اس نے تعجب سے ایک بار پھر گردن موڑی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ اسے اتار کر اور جلد از جلد آنے کا کہہ کر خود گاڑی میں بیٹھا رہے گا مگر وہ اس کے ہم قدم تھا۔ بڑی سی بوتیک کے آگے رک کر اس نے گلاس ڈور کھولا اور اسے پہلے اندر جانے دیا۔ وہ تو وہاں کی ورائٹی دیکھ کر ہی چکرا گئی۔ سیلز گرل مختلف کلرز اور ڈیزائن کے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتی' ان دونوں کے لیے بڑھتی جا رہی تھی مگر وہ قیمت کا اندازہ کر کے ہی ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے بیگ میں بس اتنی ہی رقم تھی کہ یہاں سے وہ فقط ایک ہی سوٹ خرید سکتی تھی جبکہ کسی معقول شاپ پر جاتی تو تین چار اچھے سوٹ مل جاتے۔ اب یہاں کھڑی ہو کر وہ بارگیننگ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاموشی سے ایک نسبتاً کم قیمت والا سوٹ لے لیا حالانکہ اسے فیروزی رنگ کا جارجٹ کا سوٹ جس پر ہلکی سی ریڈ کلر کی ایمبرائیڈری کی ہوئی تھی' بہت پسند آیا تھا۔

سیلز گرل نے ناگواری سے اس کی شکل دیکھی۔ یقیناً اگر وہ اتنی ویل ڈریسڈ اور ہینڈسم' شکل سے ہی ویل آف فیملی کے لگنے والے شخص کے ساتھ نہ آئی تو وہ اسے لفٹ بھی نہ کرواتی مگر اب اس کے کہنے پر جبراً مسکراتی سوٹ پیک کرنے کے لیے سامنے بیٹھے لڑکے کو دے دیا جس نے سوٹ فوراً ہی تھام لیا۔

"اور کچھ۔" اس نے پہلی بار حیرانگی سے اس کی شکل دیکھ کر پوچھا۔

اب وہ یہاں کھڑے ہو کر اسے اپنا بجٹ تو بتا نہیں سکتی تھی' سو نفی میں سر ہلانے لگی۔ آخر کو وہی اسے اس قدر مہنگے بوتیک میں لے کر آیا تھا۔ اس نے سیلز گرل کو بیگ سے رقم نکال کر پکڑائی جس پر حقیقتاً اس کا دل دکھا تھا۔

"یہ دو سوٹ بھی دے دیں۔" اچانک ہی اس نے سیلز گرل کو مخاطب کر کے وہی فیروزی جارجٹ کا سوٹ اور اسی ڈیزائن اور کپڑے پر دوسرا سوٹ جس کا کلر لائٹ براؤن تھا اس پر ڈارک براؤن سے ایمبرائیڈری تھی اس پر اشارہ کیا۔

بیزار سی سیلز گرل کا چہرہ کھل گیا۔ دونوں سوٹوں کی ادائیگی اس شخص نے اپنے والٹ سے کی تھی۔ وہ تو یوں باہر دیکھنے لگی تھی جیسے اسے کوئی سروکار نہ ہو' اس نے خود ہی شاپرز پکڑے تھے۔ صرف اپنا شاپر اس نے لے لیا تھا۔ پارکنگ سے گاڑی نکال کر دوبارہ سڑک پر ڈالی اور اسی طرح روبوٹ بنے اس نے ڈرائیو کی تھی اور وہ یونہی خاموش بیٹھی رہی تھی۔ پہلے تو پھر بھی اس کا جائزہ لے رہی تھی مگر پھر خود کو ہی سرزنش کر کے بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی تھی۔

جیسے ہی گیٹ پر گاڑی رکی اس نے فوراً گود میں رکھا اپنا شاپر اٹھایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"اتنی جلدی آ گئیں؟"

اجالا سے اپنے بازو کی مالش کرواتیں آنٹی نے چونک کر پوچھا اب وہ کیا بتاتی کہ صاحبزادے اسے کہاں پھنسانے پہنچ گئے تھے۔ مسکرا کر اس نے مالش کرتی اجالا کو دیکھ کر پانی [illegible] وہ فوراً ہی چلی گئی' اس نے اپنا خریدا ہوا سوٹ آنٹی کو دکھایا۔

"بہت پیارا ہے' بس ایک ہی لیا؟" بے بی پنک کلر کے سوٹ کو آنٹی نے خاصا سراہا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ صرف اس کا دل رکھ رہی ہیں۔

"لیجیے باجی۔" اجالا گلاس اور بوتل ہاتھ میں لیے آ گئی۔ اس نے پانی ڈال کر گلاس منہ سے لگایا جبھی وہ بھی شاپرز لیے اندر آ گیا۔ آنٹی نے فوراً آستین نیچے کر لی اور اپنی بات کا جواب سننے کے لیے اسے دیکھنے لگیں۔

"فی الحال کافی ہے آنٹی۔" جواب طلب نظروں سے دیکھتی آنٹی کو بمشکل اس نے کہا خوامخواہ سبکی کا احساس ستا رہا تھا۔

وہ آ کر خود بھی ایک صوفے پر ٹک گیا اور شاپرز آنٹی کے پاس رکھ دیئے' انہوں نے کھول کر دیکھے۔

"دو سوٹ ایک جیسے کیوں لیے؟" استفسار بھرے انداز میں انہوں نے رمشا سے پوچھا۔

"میں نے...... یہ میرے نہیں ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا اور اس کی طرف دیکھا جو انجان بنا بیٹھا موبائل سے کھیل رہا تھا۔

"پھر کس کے ہیں۔" پھر سوال ہوا تو وہ چڑ سی گئی۔

"انہوں نے لیے ہیں۔" بمشکل اس نے اس انجان شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اسے اس کو تکتے شاہ پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔ آنٹی نے کچھ کہے بغیر گردن موڑ کر اسے دیکھا جو اب اس کی ہی طرف دیکھ رہا تھا وہ نظریں چرا گئی۔

"ایک آپ کا ہے' ایک ان کا ہے۔" نارمل سے لہجے میں کہہ کر اس نے اپنا موبائل آف کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس نے اس شخص کی پشت کو پریشانی سے دیکھا جو اسے ہر ملاقات میں حیران کر رہا تھا۔ پھر آنٹی کی جانب نظر ڈالی جو ہاتھ میں سوٹ تھامے خالی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں پھر گہرا سانس لے کر اس کو دیکھنے لگیں۔

اسے خفت سی محسوس ہوئی۔ جانے وہ کیا سمجھتی ہوں مگر انہوں نے مسکرا فیروزی والا سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں آنٹی مجھے لینا ہوتا تو میں وہیں لے لیتی۔" اس قدر سنجیدہ بلکہ کھردرے شخص سے کسی قسم کی توقع بھی عبث تھی اس لیے زیادہ ہی گھبرا گئی۔

"وہ لایا ہے' ایک تمہارے لیے' ایک میرے لیے اگر تمہیں دوسرا پسند ہے تو وہ لے لو۔" آنٹی نے فراخ دلانہ پیشکش کی۔

وہ تامل کرنے لگی مگر آنٹی نے زبردستی فیروزی سوٹ والا شاپر اسے پکڑایا اور دوسرا خود لے لیا۔

اپنے کمرے میں آ کر بھی وہ کتنی دیر تک اس کھردرے شخص کے رویے پر غور کرتی رہی پھر اپنے بیگ میں موجود بقایا رقم کا خیال آیا۔ جلدی سے روپے نکالے جو بمشکل چند دن ہی چل سکتے تھے۔ جب سے اس نے آنٹی سے فیس کے پیسے نہیں لیے تھے۔ وہ بھی محتاط ہو گئی تھیں۔ اب جب تک وہ امی کو فون نہ کرتی یا ان کا فون نہ آتا اسے یہی رقم استعمال کرنی تھی۔ اس نے چند سو روپوں کو حسرت سے دیکھا اور اس اکلوتے گلابی سوٹ کو بھی جس نے اسے کنگال کر دیا تھا۔

☆......☆

موسم بڑا خوب صورت ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی سرما کی دھوپ جسم میں بڑی خوشگوار سی حرارت اتار رہی تھی۔ وہ گل شاہ کو گود میں بٹھائے اس کے ساتھ کھیلتی اس کی ٹانگوں اور ہاتھوں کی مالش کر رہی تھی۔ ایک سالہ گل شاہ اٹھ اٹھ کر گھٹنوں چلنے کی کوشش کرتا اور وہ ہنس کر اسے پکڑتی' نرمی سے تیل لگاتی' ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔

"عفیفہ یہاں ہو تم......" گل ناز چچی اسے ڈھونڈتی سرخ بجری کے فرش کے پاس آ کر رک گئیں۔

"اب تو یہ اپنی ماں کو بھی بھول گیا ہے۔ کل کو تمہاری شادی ہوتی تو یہ کتنا پریشان کرے گا باسط اور زرینہ کو۔" انہیں فکر ستائی۔ ساتھ ہی اسے بھی پیار بھری تنبیہہ کی۔

"اول تو میں یہاں سے جاؤں گی ہی نہیں چچی...... اور یہ میرا بیٹا ہے' میرا پالا سوہنا سا بچہ' چلو نہائیں نہائیں کرتے ہیں۔" وہ اس کو گود میں لٹا کر چادر سے لپیٹتے ہوئے نہلانے کے لیے اٹھی۔

گل ناز نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ عبدالودود کی بیٹی ہے۔ کوئی ان کی بیٹی شاہینہ گل اور مہرینہ گل نہیں ہے

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

جسے عمو جان نے اپنی مرضی سے دو گنے تگنے عمر کے بڈھوں سے بیاہ کر فرض ادا کر دیا تھا اور عبدالرحمٰن اور وہ خود خاموش تماشائی بنے اپنی بچیوں کو قربان ہوتے دیکھتے رہے تھے۔ بے شک عبدالودود خود حیات نہ تھے مگر اپنی بیٹی کو اس قابل کر گئے تھے کہ اپنے حق کے لیے خود لڑ سکے' خود سے زیادتی کرنے والوں کا منہ توڑ جواب دے سکے' غلط فیصلے کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر سکے مگر گل ناز کے دل میں کہیں ایک ڈر بھی چھپا ہوا تھا۔ وہ جب سے بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں انہیں اپنے اونچے لمبے مضبوط بڑی بڑی باتیں کرنے والے پارلیش سسر سے ہمیشہ خوف محسوس ہوا تھا۔ اتنے عرصے میں انہوں نے کبھی اس حویلی میں ان کی اجازت کے بغیر حقیقتاً ایک پتہ بھی ہلتے نہ دیکھا تھا' کجا کہ عفیفہ عبدالودود کا نازک وجود...... مگر شاید اب وہ اپنے جوان بیٹے کو گنوا کر کچھ نرم پڑ چکے ہوں۔

انہوں نے دل کو تسلی دی تھی اور اندر آ گئی تھیں مگر اسی شام مردان خانے سے عمو جان نے اپنی مضبوط عصا اور اونچی کلف لگی دستار سنبھالتے۔ عفیفہ کو اپنے پاس بلانے کا سندیسہ بھیجا تھا اور باقی سب کو بھی بلایا تھا۔

عفیفہ حیران حیران سر پر دوپٹہ لیے ان کے حضور حاضر ہوئی تھی۔ جہاں رحمٰن چچا اور متین چچا بھی اپنی نشستوں پر براجمان اسی کے منتظر تھے۔ یوں اس طرح زنان خانے میں آنے کا مطلب ہوتا تھا کہ انتہائی اہم خبر گھر والوں کے گوش گزار کرنی ہے۔

''عفیفہ کے لیے ہم نے لڑکا پسند کر لیا ہے' تم لوگ ضروری تیاری کے بعد اس کے فرض سے ادا ہونے کی فکر کرو۔''

وہی ہمیشہ والا مغرور رعب دار لہجہ اور گونجتی آواز بھی عمو جان کی' جسے سب نے ہی سر جھکا کر سنا تھا مگر جس کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا وہ اچھی خاصی مضطرب ہو گئی تھی۔ لڑکا جانے کس عمر کا تھا اسے ان سے کوئی اچھی امید تو نہیں تھی مگر پھر بھی وہ مایوس نہ تھی۔

''کون ہے وہ شخص؟'' بہت آہستگی اور نرم لہجے میں اس نے نظریں جھکائے جھکائے بغیر کسی کو مخاطب کیے سوال کیا تھا مگر وہاں سب کے چہرے پر حیرانی اور عمو جان کے چہرے پر غضب نمایاں ہو گیا تھا۔

''ہم سے سوال جواب کر رہی ہو گستاخ' ہمارا کہنا بہت ہے تمہارے لیے' تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہم سے پوچھنے کی' شرم و حیا عورت کا زیور ہوتا ہے جسے تمہارے باپ نے پڑھا لکھا کر دفن کر دیا ہے' ہم سے جوابدہی کی امید لگا رہی ہو۔''

''عمو جان! یہ اسلام میں جائز ہے لڑکی چلنا چاہئے کہ وہ کون ہے اور میرے باپ نے تعلیم دے کر مجھے شعور دیا ہے۔ اس میں کوئی بے حیائی نہیں ہے۔'' یوں اس طرح سب کے سامنے اس کا کہنا ہی عمو جان کی برداشت کو آزما رہا تھا۔

''پلیز عمو جان! آپ مجھے بتائیں کہ وہ کون ہے۔ تعلیم' عمر اچھی بری عادات' یہ سب چھان بین کرنا آپ کا کام ہے مگر......''

''خاموش رہو بے ادب۔'' اپنی آبنوسی عصا مضبوطی سے تھامے وہ فوراً اپنی نشست سے اٹھے اس کی طرف بڑھے۔ سب کی سانسیں گویا تھم گئی سب ہی اپنی جگہوں سے اٹھ گئے مگر وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئے اور غضب ناک انداز میں اسے سرتاپا دیکھنے لگے۔

''جب سارا کام ہمارا ہے تو پھر جرح کیوں کر رہی ہو؟'' عبدالمتین نے اپنی بے باک بھتیجی کو لتاڑا' وہ یونہی سر جھکائے کھڑی رہی۔

''سید میر علی شاہ کا بیٹا ہے' سید شفیق علی شاہ' ابھی پڑھ رہا ہے۔''

عبدالرحمٰن کو ہمیشہ کی طرح اس پر ترس آ گیا جب کہ وہ بری طرح سے چونک گئی تھی۔

گل شاہ کی خوشی کے موقع پر اس نے سید شفیق علی شاہ کو دیکھا تھا اور اس سے باتیں بھی کی تھیں۔ بھی جانتی تھی کہ وہ پڑھ رہا ہے۔ دس سال کا معصوم شفیق علی شاہ جماعت پنجم میں زیر تعلیم تھا۔

اسے یوں لگا جیسے سب نے مل کر اس کے گلے میں رسی لپیٹ دی ہو اور جگہ جگہ گھسیٹتے پھر رہے ہوں۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کا جی چاہا چلا کر انہیں ان کے ناخدا ہونے کی سزا دے جو انہیں ہمیشہ بھنور میں ڈالتے آئے تھے۔ طوفانوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کی نگاہوں میں شاہینہ گل اور مہرینہ گل کی صورتیں گھوم گئیں جن کے ستر سالہ دولہے ان پر کسی عذاب کی طرح مسلط کر دیے گئے تھے۔

''میں اس پر راضی نہیں ہوں۔''

اپنا انجام سوچتے ہوئے اس نے مضبوطی سے فیصلہ سنایا' عبدالرحمٰن تو حیران رہ گئے جب کہ عبدالرحمٰن متین غصے سے کھڑے ہو گئے۔

''کیا تمہاری اتنی مجال' میرے فیصلے سے ٹکراؤ جس سے پورے گاؤں کا کوئی شخص نہیں بول پاتا۔''

عمو جان کے جاہ و جلال میں آگ کے شرارے لپکنے لگے جیسے اس کا وجود لمحہ بھر میں خاکستر کر دیں گے۔

''گاؤں والے آپ کی رعایا ہیں اور آپ ظالم حاکم' مگر میں آپ کی پوتی ہوں' مجھے اگر مجبور کیا گیا تو میں بھری محفل میں انکار کر دوں گی۔ آپ کو میرے لیے پریشان ہونے اور لڑکے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حویلی میں' میں خوش ہوں ورنہ میں یہاں سے کہیں نکل جاؤں گی' چاہے آپ کی عزت پر حرف آئے یا اونچا شملہ نیچے ہو۔'' سرکش سوچوں کو لفظوں کا پیرہن دیتی وہ سب کو تحیر میں چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے باہر چلی گئی۔

سب پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ ان کے مرد بھی اتنے بہادر نہ تھے جتنی یہ لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ انہیں اپنا اونچا شملہ واقعی نیچے آتا محسوس ہو رہا تھا اور اپنی عزت کی دھجیاں اس کے ہاتھوں میں نظر آنے لگی تھیں۔

''ریشم کی طرح کچھ کرنا پڑے گا اس بے حیا کا' جیسی ماں ویسی ہی بیٹی۔''

عمو جان کی دھاڑ سے در و دیوار لرز گئے۔

''عمو جان' اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں' بعد میں کچھ کریں گے' ہو سکتا ہے جب تک کوئی اور اچھا لڑکا......''

عبدالرحمٰن نے نرمی سے ان کے آگے مودب ہو کر جیسے ان کی وحشتوں پر بند باندھنا چاہا مگر ان کا جلالی انداز ہنوز برقرار تھا۔ کتنی دیر تک ان کی گونجتی آواز کانوں سے ٹکراتی رہی۔

☆......☆

وہ جلدی جلدی اسائنمنٹ مکمل کر رہی تھی۔ جو کل صبح ہی اسے سبمٹ کروانا تھا مگر اسائنمنٹ شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہی ہوا جا رہا تھا۔ کاغذ پر تیزی سے قلم گھسیٹتے ہوئے اسے اپنی انگلیوں کی پوروں میں دکھن کا احساس ہوا مگر وہ فی الحال نظر انداز کر گئی۔

سامنے دھرا چائے کا کپ کب سے اس کی توجہ کا طالب تھا مگر وہ مگن انداز میں مصروف تھی۔ اسے خبر تھی سر ریحان غوری بغیر لحاظ کیے بھری کلاس میں اس طرح ذلیل کر دیتے تھے کہ بولڈ سے بولڈ لڑکے اور لڑکیاں ان کی کلاس میں ڈرتے ڈرتے بیٹھتے تھے۔

بے چاری آنٹی کئی دفعہ خود آ کر اور کئی دفعہ اجالا کے ہاتھ چائے' کافی' نمکو' بسکٹ جیسی کئی چیزیں بھجوا چکی تھیں۔ اتنی خاطریں تو کبھی امی بھی نہیں کرتی تھیں جتنے عیش یہاں تھے۔ اول تو وہاں اسائنمنٹ کا ایسا چکر نہ ہوتا تھا۔ ماہین بھی اس کی خاصی مدد کرتی تھی۔ دونوں مل کر کمبائنڈ اسٹڈی کرتے' فرنچ فرائز کھاتے اور پھر ریلیکس ہونے کے لیے گانے سنتے۔ اگر آپی یا امی کی نظریں ان

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی اس ایکٹیویٹیز پر پڑتیں تو خاصی دیر تک انہیں لیکچر سننا پڑتا تھا۔ وہ تو سٹپٹا جاتی مگر ماہین کے بقول "اللہ نے دو کان استعمال کے لیے دیئے ہیں اس لیے ایک سے سنو دوسرے سے نکالو بڑوں کا تو کام ہی ڈانٹنا ہے۔"

اس کا جملہ سوچتے ہوئے وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔ آج ماہین اسے بہت یاد آرہی تھی۔ پچھلی دفعہ جب امی کا فون آیا تھا تو اس نے اس کی بے وفائی اور بھلا دینے پر خاصا کچھ امی کو کہا تھا اور ایک لمبا خط بھی اسے لکھا تھا جس کا جواب فی الحال نہیں آیا تھا کیونکہ وہ اپنے ماموں کے گھر چھٹیاں گزارنے گئی ہوئی تھی۔ اتنے عرصے میں وہ خط کا تبادلہ کر کے ساری باتیں ایک دوسرے سے شیئر کر لیتے تھے۔

"بی بی جی آپ کا فون ہے۔"

خوب صورت یادوں کے جگنو ابھی پوری طرح اس کے اطراف چمکنے بھی نہ پائے تھے کہ اجالا نے اطلاع دی۔ وہ قیاس آرائیاں کرتے ہوئے تیزی سے نیچے اتری۔ یونیورسٹی کی صرف ایک واحد دوست تھی مگر اس سے بھی اس نے فون نمبرز کا تبادلہ نہیں کیا تھا۔

لاؤنج کے صوفے پر وہ موصوف حسب عادت ٹی وی کھول کر ہاتھ میں اخبار لیے بیٹھے تھے، وہ رک سی گئی۔ ادھر ادھر آنٹی کو تلاش کیا، وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں کچھ سمجھ نہ آیا تو سلام کرتے ہوئے فون کی جانب بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ سلام کے جواب میں گردن ہلا کر موصوف نے گویا احسان جتایا۔ اس نے توجہ دیئے بغیر ہیلو کہا اور دوسری طرف کی آواز سن کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پائی۔

"تم...... کب سے تمہیں یاد کر رہی ہوں۔ ابھی بھی تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کہاں دفعان ہوگئی تھیں؟ دو خط بھی بھجوائے تھے، امی سے بھی کہلوایا تھا۔" خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے اسے اپنی اونچی آواز کا بھی خیال نہیں رہا۔

"ہماری اماں حضور نے اپنی اکلوتی بھابی کے پاس گھڑاپا سکھانے بھیج دیا تھا کیونکہ بی اے کر چکی ہوں۔ آج شام کو ہی آئی ہوں۔"

"یہ اچانک گھڑاپا کہاں سے یاد آ گیا؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"یار! بی اے کے بعد بیاہ ہوتا ہے عموماً تو......"

"کیا! بیاہ...... کب، میرے بغیر، میں قتل کر دوں گی۔"

وہ زور سے چلائی تو صوفے پر بیٹھے مجسمے نے اس کی سمت دیکھا جو سرخ چہرہ لیے ہنستی مسکراتی آنکھوں میں مکمل خوشی لیے فون پر یوں محو گفتگو تھی گویا اکیلی ہو اور گرد سے بے نیاز اور مگن سی۔

اس نے اپنی توجہ دوبارہ اخبار پر کر لی۔

"دھیرج میری جان، تمہارے بغیر کچھ ہو سکتا ہے؟ ابھی تو صرف سوچا جا رہا ہے۔" ماہین نے تسلی دی تو اسے قرار آیا۔ "کیسی گزر رہی ہے کراچی میں، خاصا بڑا شہر ہے بلکہ روشنیوں کا شہر ہے اور ہاں، وہ کوئی اسمارٹ ہیرو سنا تھا۔" ماہین نے شرارت سے چھیڑا تو بے ساختہ اس نے سامنے صوفے پر بیٹھے پوری توجہ سے اخبار پڑھتے شخص کو دیکھا۔

"کوئی نہیں ہے، تم بتاؤ وہاں کا حال۔" اس نے جان چھڑائی مگر وہ ماہین ہی کیا جو کسی کو خاطر میں لائے۔

"خوامخواہ شرمانے کی ضرورت نہیں، کیا بہت خوب صورت ہے؟ پہلی ملاقات کیسی ہوئی یار! ناولوں فلموں میں تو بڑی دلچسپ سچویشن ہوتی ہے اور ہیرو فوراً ہی ہیروئن پر فدا ہو جاتے ہیں۔"

اب وہ ماہین کی بات پر اسے کیا بتاتی کہ دلچسپ سچویشن ہونے کے بعد وہ کڑوا کریلا کیسے فدا ہوا تھا۔ اب تک اسے اس کا جارحانہ انداز اور خون خوار آنکھیں یاد تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے اور کڑوے کریلے مجھے پسند بھی نہیں ہیں۔" اس نے مبہم انداز میں بتایا۔

"کیا کڑوا کریلا؟ کیا غصے کا تیز ہے؟ سنجیدہ ہے، زبردست یار۔ کہیں رادھو موہن کی طرح تو نہیں ہیں ہیرو صاحب۔" فلموں کی رسیا ماہین نے فوراً نقشہ کھینچا۔

"وہ ہیرو تھا اور یہ ولن اس لیے اپنی سوچوں کو یہیں تھام لو مجھے کوئی شوق نہیں ہے ساری زندگی ڈانٹ کھانے اور باتیں سننے کا۔"

"او بے وقوف، ایسے لوگ بہت محبت کرنے والے ہوتے ہیں، بالکل ناریل کی طرح...... اوپر سے سخت کھردرے اور اندر سے نرم میٹھے ٹھنڈے 'دل کے' بہت اچھے ہوتے ہیں۔ چانس مس نہ کرو۔" ماہین نے شرارت سے سمجھایا۔

"خول ٹوٹے گا تو ناریل میٹھا اور ٹھنڈا ہوگا نا اور اب بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم وہاں کا احوال سناؤ۔" اس نے اس کی مزید شرارتوں کو بریک لگوا دیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ یہیں متوجہ ہوا اسے امی سے کچھ رقم منگوانی تھی مگر اب یہ بات وہ کہہ نہیں پا رہی تھی اس لیے امی کو فون کرنے کی تاکید کر کے اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"زرین کا فون تھا رمشا۔" وہ جانے ہی لگی تھی کہ آنٹی نے آ کر سوال کیا اور چائے کی چھوٹی ٹرے اپنے بیٹے کے آگے رکھی۔

"نہیں ماہین کا تھا، میری دوست ہے، بچپن کی......"

"اچھا تو تم بھی اسے فون کر لیا کرو، یہاں بھی تمہاری کوئی دوست نہیں ہے اور میری عمر بھی تمہیں کمپنی دینے والی نہیں ہے۔"

"آپ کی عمر کون سی پچاس سال ہے۔ اتنی ینگ اور پیاری سی ہیں اور آپ کی کمپنی میں کوئی بور ہو ہی نہیں سکتا اور محبت بھی بور کرتی بھی نہیں ہے، آپ بہت کیئرنگ اور لوونگ ہیں۔"

اس نے ہمیشہ کی سادہ اور پیاری آنٹی کو محبت سے دیکھ کر سچ ہی کہا تھا۔

"جی ہاں محبت بور نہیں کرتی، محبت تو رشتوں تک کو بدل کر گلے میں رسی کی طرح باندھ دیتی ہے۔" چائے پیتے ہوئے وہ اچانک ہی ہمیشہ کی طرح ایک دم بغیر کسی کو مخاطب کیے بول کر چائے کا کپ پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے گھبرا کر اس کا خشونت بھرا چہرہ دیکھا۔

"مطیع، چائے تو پیتے جاؤ۔" نرمی سے کہتے ہوئے آنٹی نے اپنا کپکپاتا لہجہ سنبھالا تھا۔

"زہر ہو تو وہ دے دیں آپ مجھے۔" غصے سے کہتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ سامنے پڑی کرسی کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔ اس نے تاسف سے آنٹی کو دیکھا جن کی آنکھوں میں نمی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ بے ساختہ ہی اس نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ایسا ہی ہو کیوں کرتے ہیں، آپ ڈانٹتی کیوں نہیں ہیں؟" اتنے عرصے میں اسے اس شخص کا مزاج سمجھ نہیں آیا تھا۔

"ڈانٹنے کا حق مجھ سے چھین لیا گیا ہے اور وہ بھی صحیح ہے وہ بھلا......"

اچانک جیسے ہی وہ جاگ گئیں۔ جلدی سے اپنے چہرے سے آنسو صاف کیے اور اس کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے نارمل نظر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔

"آنٹی۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر انہوں نے اسے موقع نہیں دیا تھا بلکہ اٹھ کر چائے کے کپ سمیٹ کر ٹرے میں رکھے اور کھڑی ہو گئیں۔

"تم چائے لو گی رمشا؟" جاتے جاتے انہوں نے اس سے پوچھا۔

اس نے غائب دماغی سے نفی میں گردن ہلا دی اور کتنی دیر وہیں بیٹھی دونوں ماں بیٹے کی عجیب و غریب نفسیات پر غور کرنے لگی۔ بہرحال اسے یہ

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرور برا لگا تھا کہ وہ شخص جتنا خوب صورت تھا اتنی ہی بدتمیزی سے اپنی ماں سے مخاطب ہوتا تھا۔ اگر ان کی کوئی غلطی تھی بھی تو اس کا رویہ کم از کم یوں تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسے ناولوں فلموں کی کئی کہانیاں یاد آگئیں جس میں ماں اپنے شوہر سے طلاق لے لیتی ہے یا بچہ لے پالک ہوتا ہے یا پھر ماں کا ایسا کوئی قدم جو اولاد کو اس سے متنفر کردیتا ہے۔

کبھی موقع ملے تو میں سمجھاؤں گی۔

اس نے بڑے خلوص سے سوچا مگر دوسرے ہی لمحے جھرجھری لے کر رہ گئی جانے دونوں کا کیا مسئلہ تھا اس کے سمجھانے پر پتا چلتا موصوف اس کا گلا دبا دیتے۔ بھلا کیا بھروسہ تھا اس شخص کا۔

اپنے فیصلے پر لعنت بھیجتے ہوئے اس نے اپنے کمرے میں جانے کی ٹھانی۔

☆......☆

زندگی میں حادثات اچانک ہی نمودار ہوتے ہیں بس لمحہ بھر کی بات ہوتی ہے پل بھر کا جھپٹا پڑتا ہوتا ہے اور سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ ایک دم اختتام ہو کر ان سے وابستہ لوگوں کو کڑی دھوپ میں کھڑا کر دیتا ہے۔

اس اونچی سفید سنگ مرمر کی حویلی میں بھی طوفان آگیا تھا۔ ہر آنکھ ہی اشکبار تھی اور ہر دل ہی رو رہا تھا مگر وہ اس ننھی سی جان کو سینے سے لگائے خاموشی سے اندر ہی اندر بین کررہی تھی۔ عبدالمتین اور عمو جان کفن دفن کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن نڈھال سے سفید کفن میں ملبوس اپنے جوان اکلوتے بیٹے اور بہو کو آخری آرام گاہ لے جانے کی تیاری دیکھ رہے تھے۔ گل ناز چچی کو بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے' روزینہ گل کا تو سارا گھر ہی اجڑ گیا تھا۔ شاہینہ گل اور مہرینہ گل تو زندہ درگور ہو چکی تھیں مگر آنکھوں کے سامنے تو تھیں۔ آخری تیسری بیٹی زرینہ گل کی خوشیوں کے لیے مصلے پر بیٹھ کر اس کے اچھے نصیب کی دعا مانگی

تھی اور اس رب نے قبول کر کے باسط جیسا بھتیجا اور داماد سے زیادہ بیٹا ان کے مقدر میں خوشی کی صورت آیا تھا مگر قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ دونوں ہی آج مردہ حالت میں ان کے سامنے پڑے تھے۔

اچھے خاصے ہنستے مسکراتے عمو جان کی اجازت لے کر ان کی لینڈ کروزر میں بیٹھ کر وہ لوگ گھومنے پھرنے نکلے تھے۔ عفیفہ نے گل شاہ کو زبردستی اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ پہلی دفعہ عمو جان نے ایسی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

"تم لوگ انجوائے کرنا' اسے کہاں سنبھالو گی۔ میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ میرا اس کے بغیر دل نہیں لگے گا اور یہ بھی میری گود کا عادی ہے۔"

"ہاں صحیح کہہ رہی ہے عفیفہ' گل کو چھوڑ جاتے ہیں عمو جان کی مہربانی بار بار کہاں ہو گی۔" باسط نے شرارت سے تیار ہوئی زرینہ کو دیکھا۔

اس کا چہرہ ایک دم جگمگا گیا تھا اور نگاہیں جھک گئی تھیں۔

بے ساختہ ہی عفیفہ نے اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی۔ ایک پورے خاندان میں واحد وہی دونوں ہی تو خوش و خرم ازدواجی زندگی بسر کر رہے تھے مگر دعائیں بھی اکثر اوقات قبولیت کا درجہ نہیں پاتیں اور خوشیوں کی عمر بھی تو بہت مختصر ہوتی ہے۔

لینڈ کروزر کسی ٹرک سے ٹکرا کر کئی حصوں میں بٹ گئی تھی اور زرینہ باسط دونوں موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے۔

عفیفہ کو رہ رہ کر ان سے آخری ملاقات یاد آجاتی جہاں زرینہ کے چہرے پر جگنو اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور باسط لالہ کی آنکھوں میں کتنے ڈھیروں دیئے روشن تھے۔ اسے لگتا تھا کہ اس لمحے اسی کی نظر ان کو کھا گئی تھی۔

"ہماری حکم عدولی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے' ضد تھی کہ گھومیں گے۔ حویلی کی عورت کو

لے کر گھومنے نکلے تھے۔ انجام دیکھ لیا۔ مجھے ظالم کہا جاتا ہے' غلط فیصلے کرتا ہوں' یہ فیصلہ ہمارا نہیں تھا' معلوم ہو گیا اس کا انجام۔"

جوان پوتے پوتی کو دفنا کر بھی عمو جان کے لہجے کی گرج اور اونچا شملہ نیچے نہ ہوا تھا۔ کتنے دن تک وہ انہی لوگوں کو قصوروار ٹھہراتے رہے تھے جنہیں اجل کا ہاتھ منوں مٹی تلے دبا آیا تھا۔ عبدالرحمٰن کی وہی خاموشی تھی اور عبدالمتین عمو جان کے لاڈلے اور کسی حد تک ان کی عادات لیے ہوئے ان کے فیصلے اور حکم کو بالکل صحیح مان رہے تھے۔

"اس حویلی کے اکلوتے وارث کے لیے کسی اچھی عورت کا انتظام کرو عبدالمتین شاہ۔"

گل شاہ کے رونے کی آواز سن کر انہوں نے نیا حکم دیا۔ گل شاہ کو گود میں لے کر بہلاتی ہوئی عفیفہ رک گئی۔ کئی دن سے وہ اسی کی ذمہ داری تھا۔

"میں سنبھال لوں گی۔ گل شاہ کی آپ لوگ فکر نہ کریں یہ میری ذمہ داری ہے۔"

دوسرے دن ایک عورت کو حویلی میں دیکھ کر اس نے بلند آواز میں وہاں موجود لوگوں کو مطلع کیا۔ گل ناز اور روزینہ گل اس کے فیصلے سے خوش تھیں مگر وہاں بولنے کی اجازت کسے تھی۔

"پہلے تم خود تو ذمہ دار ہو جاؤ۔"

عبدالمتین نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا جوان لوگوں کے لیے مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔

"اور تمہاری شادی ہو جائے گی تو؟"

عبدالرحمٰن کے خیال میں یقیناً کسی امکان کی گنجائش تھی۔

وہ ہولے سے مسکرا دی۔

جتنا بے عزت اور ذلیل وہ پچھلے سید زادے کے رشتے کو انکار کرنے سے ہوئی تھی اب اس میں مزید سکت نہیں تھی کہ مردہ ماں باپ کو عمو جان کی زبان کے انگارے کھلوائی یا اپنی عزت افزائی میں ان کو حصہ دار بناتی۔

"میرے اس فرض کو آپ لوگ بھول جائیں' میرا فرض اور حق صرف گل شاہ کا وجود ہے۔ آپ لوگ مجھے صرف گل شاہ بخش دیں' باقی میں ہر چیز سے دستبردار ہوتی ہوں' اپنی اس جائیداد سے بھی جو میرے مرحوم والدین میرے نام کر گئے تھے۔"

اصل جھگڑے کی بنیاد کو ہی اس نے ختم کر کے صرف گل شاہ کا وجود طلب کر لیا تھا۔ وہی اس کی سب سے بڑی دولت تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں منظور ہے مگر تم نہ حویلی سے باہر جاؤ گی اور نہ ہم تمہیں کسی اور غلط فعل میں دیکھیں' آج سے گل شاہ تمہارا ہے۔"

عمو جان کی اجازت اور شرائط اسے منظور تھیں مگر وہ ایک دفعہ ضرور پوچھنا چاہتی تھی کہ غلط فعل ان کے نزدیک کیا ہے؟

"گل شاہ تمہارا ہے۔" کہہ کر عمو جان نے اس سے کہنے سننے کا سارا اختیار ازخود چھین لیا تھا۔ وہ اسی میں بہت خوش اور مطمئن تھی۔ اس نے گل شاہ کو اپنا جانا تھا' سمجھا تھا۔ اس کے دل میں ممتا کی پہلی کرن پھوٹی تھی اور ماں کا درد پوری حسیاسیت سے جاگا تھا۔ اس کی روح میں اس کے ننھے وجود کی خوشبو سمائی تھی۔

وہ سب بھول گئی۔ اپنی پڑھائی تک جو اس کا شوق تھا' لگن تھی' جانے کیسے عمو جان نے اپنے جاں بلب بستر مرگ پر پڑے بیٹے عبدالودود شاہ کی خاموش التجا کی وجہ سے اسے لینڈ کروزر کے پردے ڈلوا کر امتحان گاہ میں رحمت بی بی کے ساتھ بھجوا دیا تھا۔

مگر اب اس لگن سے بڑا جنون گل شاہ کا پیارا وجود تھا جو اس کی زندگی میں پہلی خوب صورت بارش کی پھوار کی طرح اس کے من کی نرم مٹی کو مہکا رہا تھا۔ اسے اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے' اس کو نہلاتے دھلاتے اس کے ساتھ کھیلتے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے وجود کا ہی حصہ

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ اس کی روح میں اس کی معصوم شرارت پھول کھلا دیتی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اس کی ماں ہو' وہ ماں جس کے پاؤں کے نیچے اس رب نے جنت رکھ دی ہو۔ وہ ماں جو راتوں کو جاگ کر اپنی اولاد کے آرام کا سامان کرتی ہے۔ وہ ماں جو بھیگے بستر پر خود لیٹ کر اس کے لیے نرم گرم بستر فراہم کرتی ہے' وہ ماں جو اپنا آرام تج کر اولاد کے لیے سکون تلاشتی ہے۔ وہ بھی صرف اور صرف ماں رہ گئی۔

☆......☆

جون کا سخت گرم دن' آگ اگلتا سورج' اوپر سے ہوا بھی کسی ناراض بچے کی طرح روٹھی ہوئی تھی۔ وہ یونیورسٹی سے آخری پیریڈ بھگتا کر اپنی فائل کا چھجا بنائے بس اسٹاپ پر اپنے روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ پوائنٹ کب کا جا چکا تھا اور بس بھی جانے کہاں تھی۔

اپنے دوپٹے سے بہتا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے سڑک پر نظر دوڑائی مگر دور دور تک کسی بس کا نام نشان نہیں تھا۔ کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی جو پونے دو بجا رہی تھی۔ بھوک کے سبب پیٹ میں اینٹھن سی ہو رہی تھی۔

اللہ ایک عدد کار کا مالک تو ضرور بنائے' پتا نہیں کون سے لوگ ہوتے ہوں گے جن کو لفٹ دینے والے مل جاتے ہیں اور پھر زندگی کا سارا سفر ہی خوش گوار گزرتا ہے مگر نہ تو یہاں شکل ہیروئن جیسی ہے اور نہ قسمت۔

جل جل کر سوچتے ہوئے اس نے دوبارہ خالی سڑک پر دور تک نظر ڈالی مگر مایوسی ہوئی' ہنوز دلی دور تھا۔ اس کے دل میں رکشہ لینے کا خیال آیا اور دوسرے ہی لمحے وہ سڑک پر موجود خالی رکشوں پر نظر دوڑانے لگی۔ ایک خالی رکشہ کو روکنے کے لیے وہ ایک قدم ہی آگے آئی تھی کہ دور سے آتی بلیک ہنڈا سٹی پر نظر گئی۔ وہ وہیں رک گئی۔ تھوڑا قریب آنے پر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص بھی واضح ہو گیا۔ اس کے دل کو انجانی سی خوشی ہوئی۔ یقیناً آنٹی نے اسے بھیجا ہوگا اور وہ آ گیا۔

اتنی سڑی ہوئی دھوپ میں بسوں اور رکشے نے جو پریشان کیا تھا۔ اے سی والی گاڑی میں بیٹھنے کا سوچ کر ہی اس کو خوشی اور اطمینان ہونے لگا۔ وہ کچھ اور آگے آ گئی لیکن اس کے سر پہ چمکتا سورج مزید تیزی سے آگ اگلنے لگا۔ اس کے سامنے سے گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس نے گاڑی کے تعاقب میں بہت دور تک نگاہیں دوڑائیں مگر کار آگے ہی آگے بڑھتی غائب ہو گئی۔

اس قدر کٹھور' بدتمیز' بدتہذیب اور اکڑو شخص سے ایسی توقع عبث نہ تھی مگر پھر بھی اس کی جان جل کر رہ گئی۔ ایسا تو ناممکن تھا کہ اس شخص نے اسے نہ دیکھا ہو۔ سڑک کے درمیان کھڑی وہ کسی اندھے تک کو باآسانی نظر آ سکتی تھی۔ وہ پورے وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ اس شخص نے اس پر ایک نظر تو ضرور ڈالی تھی۔ پھر یہ تو اس کڑوے کریلے جیسے شخص کی بدتہذیبی ہی تھی شاید وہ صرف اور صرف اپنی والدہ ماجدہ کی وجہ سے اس کا وجود برداشت کر رہا تھا۔

اسے سخت توہین کا احساس ہوا' غصے میں کھولتی اسے گالیوں سے نوازتی اس کے جاہلانہ اور مغرور رویے کو کوستی خالی رکشہ روک کر بیٹھ گئی۔

حسب معمول آنٹی منتظر سی ٹیبل سجائے بیٹھی تھیں۔ اس نے حسب عادت انہیں سلام کیا مگر روز کی طرح مسکرائی نہیں' بلکہ جھک کر جوتے اتارنے لگی۔

''وعلیکم السلام' اتنی دیر ہو گئی۔ مطیع کو میں نے کب سے لینے بھیجا ہوا تھا۔ کیا گیٹ پر ہی چھوڑ گیا ہے؟'' انہوں نے اس کے عقب میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

وہ تو یونہی کھولی ہوئی تھی بنا جواب دیئے واش بیسن پر جا کر ہاتھ منہ دھونے لگی۔

''گرمی بھی تو غضب کی ہے۔ میں نے اجالا سے کہلوایا تھا کہ گرمی بہت ہے۔ رمشا کو لے آئے۔ کوئی ضروری فائل بھول گیا تھا۔ وہی گھر لینے آیا تھا۔''

پیچھے پیچھے آنٹی تفصیل بتاتی اورنج جوس کا گلاس لیے کھڑی تھیں۔

اتنی پیاری' مخلص اور پیار کرنے والی خاتون کا اتنا بدتمیز اور تہذیب سے ناآشنا بیٹا...... سوچ کر مزید دل جلا' تاہم اس نے مسکرا کر گلاس تھام لیا اور آنٹی کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔

''شکریہ آنٹی مگر یہ پرابلم تو روز کی ہے۔ آپ آئندہ انہیں تکلیف مت دیجئے گا۔''

کھانا کھاتے وقت بمشکل اپنے آپ کو نارمل پوز کرتے ہوئے اس نے نرم لہجے میں تنبیہ کی مگر کمرے میں آ کر بھی اس کا دماغ کھولتا رہا۔ اس کے اس طرح کے برتاؤ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ زبردستی اس کی راجدھانی پر بلکہ اس کے سر پر مسلط ہو گئی ہے۔

''آئندہ چاہے کچھ بھی ہو اس کڑوے کریلے کے ساتھ اس کی گاڑی میں نہیں جاؤں گی۔ خود سے عہد کر کے وہ بستر پر لیٹی ہی تھی کہ اجالا نے آ کر امی کے فون کی اطلاع دی۔ وہ ایک دم سے ساری کلفتیں اور غصہ بھول کر تیزی سے نیچے بھاگی۔ آنٹی مسکرا مسکرا کر فون پر محو گفتگو تھیں۔

''بہت مبارک ہو' رمشا بہت خوش ہو گی' ارے نہیں نہیں...... بہت پیاری بچی ہے' دل لگ گیا ہے اس کا' بلکہ اس کے ساتھ میرا بھی۔ لو تم خود ہی پوچھ لو وہ ضرور آنے کی کوشش کرے گی اس کی عزیز ترین سہیلی ہے آخر' یہ لو بات کرو۔''

آنٹی مسلسل اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ کچھ ذومعنی بات کر رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے ریسیور کان سے لگا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹی! کیسی ہو؟ تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔'' امی کی آواز سن کر اس کو تسلی ہوئی آنٹی اسے تنہا چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔

''کیا امی' کیا خوش خبری' زریں آپا تو ٹھیک ہیں اور وہ حمزہ اور فاروق بھائی۔''

''ہاں ہاں سب ٹھیک ہیں۔ ماہین کی منگنی ہے دو دن بعد' تو تم آ جاؤ۔''

اتنی بڑی خوش خبری تھی۔ وہ پاگل ہونے لگی۔

''منگنی' ماہین کی...... کہاں ہے ماہین؟'' اس نے جملہ پورا سننے سے پہلے ہی بے تابی سے پوچھا۔

''میرے پاس کھڑی ہے' خود بات کر لو۔''

امی نے فون ماہین کو دے دیا۔

''ذلیل' بے وفا' سب کچھ طے کر کے بتا رہی ہے عین ٹائم پر۔'' وہ اس پر برس پڑی۔

''دھیرج یار' اس دن فون پر بتایا تو تھا' خط میں تفصیل بھی لکھی تھی اب بھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں بس کل ہی پہنچو۔''

وہ اسے تفصیل بتانے لگی پھر اس کے آنے کے لیے اصرار شروع کیا وہ تو ویسے بھی اس کی سب سے پیاری دوست بلکہ اکلوتی دوست کی خوشی تھی جس میں اس کی شرکت اس کے لیے لازمی حیثیت رکھتی تھی۔

''ارے وہ تمہارے کڑوے کریلے کا کیا حال ہے' اس کے ساتھ ہی آ جانا فیصل آباد آرام سے۔''

بالکل اچانک ہی ماہین نے بات کرتے کرتے اس شخص کا تذکرہ چھیڑا جو اسے اس وقت بھول گیا لیکن یاد آتے ہی اس کے منہ میں کونین گھل گئی۔

''اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں گدھا گاڑی میں آ جاؤں' کسی اجنبی کی ہمسفر بن جاؤں یا پیدل ہی نکل پڑوں۔'' اس نے سخت جلبلاتے لہجے میں کہہ کر مختصراً آج کا واقعہ سنایا۔

(باقی آئندہ)

Scanned By Famousurdunovels.blogspot
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM